سیر روحانی (۲)

از

سیدنا حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

سیر روحانی (۲)

(تقریر فرمودہ مؤرخہ ۲۸ دسمبر ۱۹۴۰ء بر موقع جلسہ سالانہ قادیان)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

ایک خبر پر تبصرہ اور جلسہ سالانہ پر آنے والوں کو نصیحت

پیشتر اِس کے کہ مَیں اپنا آج کا مضمون شروع کروں مَیں سِول اخبار کی ایک آج کی خبر کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں جو میری کَل کی تقریر کے بارہ میں اس میں شائع ہوئی ہے کسی نے کہا ہے۔

؎ چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد

یعنی وہ چور بھی کیسا بہادر ہے جو چوری کرنے کے لئے ہاتھ میں لیمپ لے کر آتا ہے حالانکہ لیمپ کی روشنی کی وجہ سے لوگ اُسے دیکھ رہے ہوتے ہیں اور اُس کی چوری کے چُھپے رہنے کا کوئی امکان نہیں ہوتا۔ پہلے بھی ''سِول'' میں جھوٹ بولا گیا تھا جب اس کا ایک نمائندہ اُس وقت مجھ سے ملاقات کرنے کے لئے آیا جب میں نے اپنی وصیت کا اعلان کیا تھا وہ خود بھی سوالات کرتا گیا اور میں اُس کی باتوں کا جواب دیتا رہا جب وہ اُٹھنے لگا تو میں نے کہا کہ مجھے اخبار والوں کا بڑا تلخ تجربہ ہے اور مَیں ڈرتا ہوں کہ آپ کوئی ایسی بات شائع نہ کردیں جو واقعات کے لحاظ سے غلط ہو میں چونکہ ایک ایسی جماعت کا امام ہوں جو چاروں طرف سے اعتراضات کا ہدف بنی ہوئی ہے اس لئے اگر آپ نے کوئی غلط بات درج کردی تو لوگوں کو اور زیادہ اعتراض کرنے کا موقع مل جائے گا۔ وہ کہنے لگا آپ بالکل فکر نہ کریں ہم لوگ بہت دیانتدار ہیں اور کوئی بات خلافِ واقعہ درج نہیں کیا کرتے۔

اس کے بعد وہ چلا گیا اور پھر اُس نے جو رپورٹ شائع کی اُس میں واقعات کو بہت کچھ بگاڑ دیا گیا تھا۔ اخبارات والوں میں چونکہ ایک دوسرے کے متعلق رقابت ہوتی ہے اس لئے

’’سٹیٹسمین‘‘ کو جب معلوم ہؤا کہ سِول کا نمائندہ وہاں گیا تھا تو اُس نے بھی اپنے ایک نمائندہ کو بھیجا مگر باوجود اس کے کہ اُسے صرف پندرہ بیس منٹ ہی وقت دیا گیا تھا اُس نے جو رپورٹ شائع کی وہ ایسی غلط نہیں تھی جیسے سِول اخبار کے نمائندہ کی۔ بعض غلطیاں اِس میں بھی تھیں مگر وہ قابلِ برداشت تھیں باقی تمام رپورٹ شریفانہ رنگ میں لکھی گئی تھی۔

بعض دوستوں کو یہ بھی شکوہ ہے کہ سِول اخبار کا لہجہ چھچھورا ہے مگر میں سمجھتا ہوں یہ شکوہ ایسا اہم نہیں وہ ایک دُنیوی اخبار ہے کوئی مذہبی پرچہ نہیں اور جو اخبار محض دُنیوی ہو اور جس کے شائع کرنے کی غرض یہ ہو کہ ایک ایک آنہ میں اس کے پرچے بِک جائیں اس کے متعلق یہ امید رکھنا کہ اُس کی زبان چھچھوری نہ ہو صحیح نہیں۔ ایسے اخبارات شائع کرنے والوں کی غرض صرف یہ ہوتی ہے کہ زبان ایسی ہو جس سے لوگ حظّ اُٹھائیں اور اُن کا پرچہ فروخت ہو جائے بہرحال مجھے اِس پر اعتراض نہیں۔ مجھے اعتراض یہ ہے کہ بعض باتیں واقعات کے لحاظ سے اس میں بالکل غلط لکھ دی گئی ہیں۔ مثلاً وہی رؤیا جو ۲۸ سو جہازوں والا تھا اور جسے کَل میں نے تفصیلاً بیان کیا تھا اس کا ذکر میں نے سِول کے نمائندہ کے سامنے بھی کیا تھا مگر اُس نے رپورٹ شائع کرتے وقت جہازوں کی تعداد ۲۸ سَو کی بجائے ۲۴ سَو لکھ دی جس کی سوائے اِس کے اور کیا غرض ہوسکتی ہے کہ پڑھنے والوں کو جب معلوم ہو کہ خواب میں تو ۲۴ سَو جہاز بتائے گئے تھے اور امریکہ سے ۲۸ سَو جہاز بھیجے گئے تو ان پر یہ اثر ہو کہ خواب جھوٹا نکلا۔ پھر وہ خود ہی سوال کرتا گیا کہ آپ کے بیٹے کتنے ہیں؟ آپ نے شادیاں کتنی کیں؟ اب ان باتوں کے جواب میں یہ کس طرح ہوسکتا تھا کہ میں سورۂ فاتحہ کی تفسیر شروع کر دیتا۔ جب وہ میری ذات کے متعلق باتیں دریافت کر رہا تھا تو میرا فرض تھا کہ میں اُنہی باتوں کا جواب دیتا مگر اُس نے اخبار میں میرے متعلق یہ لکھ دیا کہ وہ اس عرصہ میں اپنی ذات کے متعلق ہی باتیں کرتے رہے حالانکہ یہ کس طرح ہوسکتا تھا کہ وہ سوال تو میرے متعلق کرتا اور میں جواب میں پُرانے تاریخی واقعات بیان کرنا شروع کر دیتا یا قرآن کریم کی کسی آیت کی تفسیر شروع کر دیتا۔ اب کَل کی تقریر کے متعلق بھی اُس نے ایسا ہی کیا ہے اور چونکہ اُس نے ایک ایسی بات میری طرف منسوب کی ہے جو ہمارے عقیدہ کے خلاف ہے اس لئے مَیں اس کی تردید کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔

سِول نے لکھا ہے کہ میں نے اپنی تقریر میں کہا کہ ہم عدمِ تشدد کے قائل نہیں اور یہ کہ ہم گورنمنٹ کو دکھا دیں گے کہ ہم کیسے ہیں۔ اب ان الفاظ کا سوائے اس کے اور کیا مفہوم ہوسکتا

ہے کہ ہم گورنمنٹ کے خلاف کھڑے ہو جائیں گے، بم پھینکیں گے، پستول چلائیں گے اور قتل وخونریزی کا ارتکاب کریں گے حالانکہ شروع دن سے جماعت احمدیہ جس عقیدہ پر قائم ہے وہ یہ ہے کہ ہمیں کسی قسم کے فتنہ وفساد میں حصہ نہیں لینا چاہئے پس یہ بالکل جھوٹ ہے جو سِول نے میری طرف منسوب کیا۔ احرار کی شورش کے زمانہ میں گورنمنٹ صراحتاً ہمارے خلاف حصہ لیتی تھی۔ اُس وقت کے گورنر صاحب باوجود اس کے کہ ذاتی طور پر مجھ سے دوستی کا اظہار کیا کرتے تھے انہیں سلسلہ سے کوئی پرخاش تھی اور وہ یہ ثابت کرنا چاہتے تھے کہ جماعت احمدیہ حکومت کی وفادار نہیں۔ اتفاقاً انہیں اُس وقت ڈپٹی کمشنر بھی ایسا مل گیا جس نے اپنا فائدہ اِسی میں سمجھا کہ ہمیں بدنام کرے۔ چنانچہ انہوں نے پوری کوشش کی کہ جماعت کو بدنام کیا جائے مگر ہم نے ایسے رنگ میں مقابلہ کیا کہ اپنے اصول کو بھی نہ چھوڑا اور گورنمنٹ کو بھی شکست کھانی پڑی۔ اُس وقت جھوٹی رپورٹیں بھی کی گئیں، جھوٹے مقدمات بھی بنائے گئے اور ہر رنگ میں ہمیں دُکھ دینے اور دنیا کی نگاہ میں ہمیں ذلیل کرنے کی کوشش کی گئی مگر ہم نے ان سب باتوں کو برداشت کیا اور شرافت کے ساتھ اسلامی طریق سے مقابلہ جاری رکھا اور آخر گورنمنٹ کو نیچا دیکھنا پڑا۔ پس جب کہ پنجاب گورنمنٹ کے بعض افسر اِس فتنہ میں شامل تھے اور جب کہ ضلع کے حُکّام دیدہ دانستہ ہمارے خلاف شرارتیں کر رہے تھے اُس وقت بھی ہم نے اس طریق کو اختیار نہ کیا تو اب جب کہ لوکل افسروں کی بُزدلی کا مَیں ذکر کر رہا تھا یہ کس طرح ہوسکتا تھا کہ میں دھمکی دے دیتا کہ پنجاب گورنمنٹ کی پالیسی جماعت کے خلاف ہے اور اگر اس نے اس پالیسی میں تبدیلی نہ کی تو اسے اس کے نتائج دیکھنے کے لئے تیار رہنا چاہئے پس یہ بات بالکل جھوٹ ہے اور نہ صرف عقل کے خلاف ہے بلکہ ہمارے سلسلہ کی تعلیم بھی اس کے مخالف ہے۔

پھر ایک اور عجیب بات اس نے لکھی ہے جسے پڑھ کر مجھے ہنسی آئی کہ مَیں نے اپنی تقریر میں کہا جب تک میں خدا تعالیٰ کی راہ نمائی کے ماتحت کام کر رہا ہوں اس جہاز کو حفاظت کے ساتھ چلاتا جاؤں گا اور ہر قسم کے خطرات سے اسے محفوظ رکھوں گا حالانکہ نہ میں نے اس کا ذکر کیا اور نہ ہی اس قسم کا کوئی مضمون تھا۔ معلوم ہوتا ہے غیر مبائعین کے متعلق مَیں نے جو یہ الہام بتایا تھا کہ اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْآ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ ۔ غالباً اس روشن دماغ مضمون نگار نے اس الہام کا خلاصہ ان الفاظ میں بیان کیا ہے تعجب ہے کہ ایسا ذمہ دار اخبار ایسے کُودن[1] لوگوں کو رپورٹ لینے کے لئے کیوں بھیج دیتا ہے جو بات کو پورے طور پر سمجھنے کی بھی اہلیت نہیں رکھتے۔

ایسی خلافِ واقعہ رپورٹیں خود اخبار کے لئے مُضِرّ ہوتی ہیں اور چونکہ متواتر اس نے غلط بیانی سے کام لیا ہے اس لئے میں نے اس کی علانیہ تردید کرنی ضروری سمجھی ہے۔ چنانچہ پہلے تو میری خواب کا ذکر کرتے ہوئے اس نے جہازوں کی تعداد اٹھائیس سَو کی بجائے چوبیس سَو لکھ دی۔ اسی طرح لکھ دیا کہ وہ دَورانِ گفتگو میں اپنی ذات کے متعلق ہی باتیں کرتے رہے اور اب اس نے ہمارے اصول پر حملہ کر دیا۔ خواہ یہ حملہ دیدہ دانستہ ہو اور خواہ بے وقوفی کے نتیجہ میں بہرحال افسوسناک ہے۔

مجھے افسوس ہے کہ سِول کا رویہ ہمیشہ ہمارے خلاف ہوتا ہے حالانکہ ''سٹیٹسمین'' نے کبھی اس قسم کی شکایت کا موقع پیدا ہونے نہیں دیا۔ بہرحال یہ بات چونکہ ہمارے اصول کے خلاف تھی اس لئے میں نے اس کی تردید کرنی ضروری سمجھی۔ ورنہ ہمیں نہ سِول کے جھوٹ کی پرواہ ہے اور نہ ہم اس کے نمائندوں کی کوئی حقیقت سمجھتے ہیں۔

اب میں اس مضمون کو شروع کرتا ہوں جس کے نوٹ اس موقع پر بیان کرنے کے لئے میں نے لکھے ہوئے ہیں۔

مجھے اِس دفعہ افسوس کے ساتھ اس شکایت کا علم ہؤا ہے کہ بجائے اس کے کہ یہاں آ کر مہمانوں میں عبادت اور ذکرِ الٰہی کے متعلق زیادہ مُستعدی پیدا ہوتی مساجد میں ان کی حاضری بہت کم ہوگئی ہے۔ ایک دن تو نماز کے وقت مسجد مبارک میں اتنی قلیل حاضری تھی کہ مسجد کا ایک حصہ خالی نظر آ رہا تھا حالانکہ اس سے پہلے تمام مسجد بھر جایا کرتی تھی پھر مسجد کا چھت لوگوں سے بھر جاتا تھا اور پھر گلیوں میں بھی دُور دُور تک لوگ صفیں باندھ کر نماز پڑھنے پر مجبور ہو جاتے تھے اور وہ صفیں مدرسہ احمدیہ کے بورڈنگ تک پہنچ جایا کرتی تھیں۔ مگر اس دن جب میں نے نماز ختم کی تو مسجد کے نچلے حصہ میں بھی ابھی ایک دو سطریں باقی تھیں۔ حالانکہ مسجد کا نچلا حصہ صرف قادیان کے رہنے والوں سے ہی بھر جایا کرتا تھا۔ اس کے معنے یہ ہیں کہ مہمانوں نے ایک اعلیٰ درجہ کی عبادت بجالانے میں سُستی سے کام لینا شروع کر دیا ہے حالانکہ مسجد مبارک وہ ہے جس کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا الہام ہے کہ جو کام بھی اس جگہ کیا جائے گا وہ مبارک ہوگا۔ اگر کوئی شخص قادیان آ کر بھی فائدہ نہیں اُٹھاتا نہ وہ مسجد میں نماز کے لئے حاضر ہوتا ہے اور نہ ہی سلسلہ کی ترقی کے لئے دعائیں کرتا ہے تو اُس کا آنا اپنے اندر کوئی معنے نہیں رکھتا۔ پس دوستوں کو چاہئے کہ وہ نیکی کے مواقع سے فائدہ اٹھائیں اور اپنی سُستی اور غفلت سے انہیں ضائع نہ کریں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ تو نیکیوں کے حصول کے لئے ایسے بے تاب رہتے تھے کہ ایک دفعہ

مجلس میں کسی صحابی نے ذکر کیا کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہؤا ہے کہ جو شخص کسی مسلمان بھائی کے جنازہ کے ساتھ جائے اور دفن ہونے تک وہیں ٹھہرا رہے اسے دو قیراط ثواب ملے گا اور ہر قیراط اُحد پہاڑ کے برابر ہوگا۔ دوسرے صحابہؓ نے جب یہ بات سنی تو وہ اس صحابی پر ناراض ہوئے اور کہنے لگے نیک بخت! تُو نے پہلے یہ بات ہمیں کیوں نہ بتائی معلوم نہیں ہم اب تک کتنے قیراط ضائع کر چکے ہیں[۲] تو دوستوں کو ان دنوں سے فائدہ اُٹھانا چاہئے اور اپنے اوقات اللہ تعالیٰ کی عبادت، ذکرِ الٰہی اور دعاؤں میں صرف کرنے چاہئیں۔ (الفضل ۱۱ر نومبر ۱۹۵۱ء)

(۴) مساجد

میں نے اس سفر میں جو چیزیں دیکھی تھیں ان میں سے کچھ مساجد بھی تھیں جو بڑی خوبصورت اور مختلف امتیازات والی تھیں۔ کسی میں کالے پتھر لگے ہوئے تھے، کسی میں سفید اور کسی میں سُرخ اور بعض میں اگر سادگی تھی تو وہ سادگی اپنی ذات میں اتنی خوبصورت تھی کہ دل کو لُبھا لیتی تھی۔ اسی طرح بعض مساجد اتنی وسیع تھیں کہ ایک ایک لاکھ آدمی ان میں بَیَک وقت عبادت کر سکتا تھا اور بعض اتنی بلند تھیں کہ انسان اگر اُن کی چھت کو دیکھنے لگے تو اُس کی ٹوپی گر جائے غرض اپنے اپنے رنگ میں ہم میں سے ہر ایک نے اُن مساجد کو دیکھ کر لُطف اُٹھایا اور جہاں موقع مل سکا وہاں ہم نے نفل بھی پڑھے۔

مساجد کی تعمیر میں نیّتوں کا تفاوت

میں نے جب ان مساجد کو دیکھا تو اپنے دل میں کہا کہ ان خدا کے بندوں نے کیسی کیسی عظیم الشان مساجد بنا کر خدا تعالیٰ کے ذکر اور اس کی عبادت کو دنیا میں قائم کرنے کا اہتمام کیا تھا مگر ساتھ ہی میرے دل میں خیال پیدا ہؤا کہ یہ مساجد گو بڑی شاندار ہیں اور ان کے بنانے والوں نے ان کے بنانے پر بہت سا وقت اور روپیہ خرچ کیا ہے اور بہت بڑی قربانی سے کام لیا ہے تاہم نہ معلوم انہوں نے ان مسجدوں کو کس کس نیت سے بنایا۔ کسی نے ان کو اچھی نیت سے بنایا ہوگا اور کسی نے بُری نیت سے، کسی نے تو اس خیال سے مسجد تعمیر کی ہوگی کہ لوگ کہیں گے یہ مسجد فلاں بادشاہ نے بنائی تھی۔ اس رِیاکاری کی وجہ سے ممکن ہے وہ اِس وقت جہنم میں جل رہا ہو اور لوگ مسجد دیکھ کر کہہ رہے ہوں کہ واہ واہ! فلاں مسلمان نے کتنی بڑی نیکی کا کام کیا حالانکہ اُس نے چونکہ رِیاء کی وجہ سے مسجد بنائی تھی اِس لئے وہ جہنم میں اپنے اس فعل کی سزا

پا رہا ہوگا۔ پھر کسی نے ایسی نیک نیتی سے مسجد تیار کی ہوگی کہ گو وہ مر گیا اور اُس کی بنائی ہوئی مسجد بھی ویران ہوگئی مگر اُس کو خدا تعالیٰ کے فرشتے ہر روز جنت میں آ کر سلام دیتے ہونگے اور کہتے ہونگے کہ تُو نے دنیا میں چونکہ خدا کا گھر بنایا تھا اس لئے اب آخرت میں ہم تجھ پر سلامتی بھیجتے ہیں۔ بیشک اُس کی مسجد میں اب لوگ نہیں آتے اور نہ وہاں آ کر سلام کہتے ہیں مگر جنت میں اُسے فرشتے روزانہ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کہتے ہوں گے۔غرض جب میں اس قلعہ کی چھت پر کھڑا تھا تو اُس وقت میرے خیالات یہ تھے کہ یہ دُنیوی چیزیں تھیں جن کو مَیں نے دیکھا اور جن سے اپنی معلومات میں اضافہ کیا، مگر ان دُنیوی چیزوں کے مقابلہ میں بعض روحانی چیزیں بھی اِسی قسم کی ہیں لیکن دنیا ان کی طرف توجہ نہیں کرتی۔ وہ اپنی شان میں ان دُنیوی چیزوں سے کہیں بڑھ کر ہیں، وہ اپنی بلندی میں ان سے کہیں اونچی ہیں اور وہ اپنی خوبیوں میں ان سے کہیں اعلیٰ ہیں، غرض وہ ایسی نادر روزگار چیزیں ہیں کہ دنیا کو اگر سینکڑوں نہیں ہزاروں صدیوں کا سفر کر کے بھی ان کی تلاش میں جانا پڑے تب بھی وہ سفر بیکار نہیں کہلا سکتا، مگر باوجود اِس کے لوگ ان کو دیکھنے کا شوق نہیں رکھتے اور نہ ان کے بنانے والوں کی کوئی قدر کرتے ہیں، لیکن ان دُنیوی چیزوں کی بڑی قدر کرتے ہیں۔ یہ خیالات تھے جو اُس وقت میرے دل اور دماغ پر مسلّط تھے۔

عالَمِ روحانی کی شاندار مساجد

میں بتا چکا ہوں کہ میں نے اِس سفر میں بعض پُرانی اور شاندار مساجد دیکھیں، ایسی وسیع اور شاندار مساجد جن میں ہزاروں آدمی نماز پڑھ سکتے ہیں۔تب میں نے غور کیا کہ یہ تو دُنیوی مساجد ہیں، کیا ان سے بھی بڑھ کر روحانی دنیا میں کوئی مسجدیں ہیں یا نہیں؟ اور اگر ہیں تو دنیا ان سے کیا سلوک کر رہی ہے؟ جب میں نے اس امر پر غور کیا تو میں نے دیکھا کہ اِن مساجد سے بہت زیادہ شاندار مساجد روحانی دنیا میں موجود ہیں۔مٹی کی اینٹوں کی بنی ہوئی نہیں، چونے اور پتھروں سے بنی ہوئی نہیں بلکہ وہ مسجدیں ایمان کی اینٹوں سے تیار ہوئی ہیں اور ان کی شان کو کوئی اور مسجد کبھی نہیں پہنچ سکتی۔

مساجد کیوں بنائی جاتی ہیں

یہ امر یاد رکھنا چاہئے کہ دو چیزوں میں مشابہت کسی نہ کسی وجہ سے ہوتی ہے کبھی مشابہت شکل میں ہوتی ہے اور کبھی کام میں۔ مثلاً ایک انسان کی تھوتھنی باہر نکلی ہوئی ہوتی ہے تو لوگ کہتے ہیں یہ کُتّا ہے، کوئی گردن اکڑا کر رکھتا ہے تو لوگ کہتے ہیں کہ یہ سؤر ہے، ایک انسان بڑا بہادر اور دلیر ہوتا ہے تو

لوگ کہتے ہیں یہ شیر ہے۔ اب کسی کو شیر یا کُتّا یا سؤر اِس وجہ سے نہیں کہا جاتا کہ اُس کے بھی شیر کی طرح پنجے ہوتے ہیں، یا وہ بھی کُتّے اور سؤر کی طرح ہوتا ہے بلکہ کبھی روحانی اور اخلاقی مشابہتوں کی وجہ سے ایک کو دوسرے کا نام دیدیا جاتا ہے اور کبھی ظاہری مشابہت کی بناء پر ایک کو دوسرے کا نام دیا جاتا ہے۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ ہمیں دیکھنا چاہئے کہ مسجد کے مشابہہ دنیا میں کونسی چیز ہے؟ میں نے اس کے لئے سب سے پہلے اس امر پر غور کیا کہ مسجد کا کام کیا ہوتا ہے اور وہ کس غرض کے لئے بنائی جاتی ہے؟ اس سوال کو حل کرنے کے لئے جب میں نے قرآن کریم پر غور کیا تو مجھے آل عمران رکوع ۱۰ میں یہ آیت نظر آئی کہ اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکاً وَّ ھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ ؁ [۳] یہ آیت بیت اللہ کے متعلق ہے جو درحقیقت اوّل المساجد ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ سب سے پہلی مسجد اور سب سے اوّل اور مقدّم مسجد وہ ہے جو مکہ میں بنی اور جس کی نقل میں دوسری مساجد تیار ہوتی ہیں۔ یہاں بیت سے مراد درحقیقت بیت اللہ ہے یعنی اللہ کا گھر اور مسجدیں بھی اللہ کا گھر ہی کہلاتی ہیں، آگے بیان فرماتا ہے کہ اِس بیت اللہ کا کام کیا ہے اور اسے دوسرے مقامات پر کیا فوقیت حاصل ہے فرماتا ہے بیت اللہ کے بنانے میں ہماری تین اغراض ہیں۔

بیت اللہ کی تین اہم اغراض

اوّل وُضِعَ لِلنَّاسِ۔ یہ مسجد تمام بنی نوع انسان کے لئے بنائی گئی ہے کسی خاص فرد کے لئے نہیں۔ وہ زید کے لئے نہیں، بکر کے لئے نہیں، خالد کے لئے نہیں بلکہ وُضِعَ لِلنَّاسِ وہ تمام بنی نوع انسان کے لئے بنائی گئی ہے۔ پھر مُبَارَکًا وہ برکت والی ہے۔ تیسرے ھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ سب انسانوں کے لئے ہدایت کا موجب ہے۔ پس دنیا میں سب سے پہلی مسجد جو بنائی گئی اس کی تین اغراض تھیں۔

(۱) مساوات کا قیام

اوّل وہ تمام بنی نوع انسان کے لئے بنائی گئی تھی، مطلب یہ کہ مسجد ایسا گھر ہوتا ہے کہ مساوات پیدا کرتا ہے اس میں غریب اور امیر اور مشرقی اور مغربی کا امتیاز بالکل مِٹا دیا جاتا ہے۔ مسجد کے دروازہ کے باہر بیشک ایک بادشاہ بادشاہ ہے اور غلام غلام، ایک شخص حاکم ہے اور دوسرا محکوم، ایک افسر ہے اور دوسرا ماتحت مگر اِدھر مسجد میں قدم رکھا اور اُدھر امیر اور غریب، حاکم اور محکوم سب برابر ہو گئے۔ کوئی بادشاہ ایسا نہیں جو مسجد میں ایک غلام سے بھی یہ کہہ سکے کہ یہاں مت کھڑے ہو تم وہاں جا کر کھڑے ہو بلکہ اسلام میں یہ مساوات اِس حد تک تسلیم کی جا چکی ہے کہ بنواُمیّہ کے زمانہ میں جب

بادشاہوں نے ظلم کرنے شروع کر دیئے تو پہلے تو مسجد میں جب بادشاہ آتا تو تعظیم کے طور پر لوگ اُس کے لئے جگہ چھوڑ دیتے مگر بعد میں وہ اپنی جگہ پر ہی بیٹھے رہتے اور جب نوکر کہتے کہ جگہ چھوڑ دو تو وہ کہتے کہ تم ہمیں مسجد سے اُٹھانے والے کون ہو؟ مسجد خدا کا گھر ہے اور یہاں امیر اور غریب کا کوئی امتیاز نہیں۔ آجکل کا زمانہ ہوتا تو بادشاہ نوکروں سے لوگوں کو پٹوانا شروع کر دیتے مگر اُس وقت اسلام کا اس قدر رُعب تھا کہ بنوامیہ نے مسجد کے باہر حُجرے بنائے اور وہاں نماز پڑھنا شروع کر دیا مگر یہ جرأت نہ ہوئی کہ مسجد میں آ کر لوگوں کو اُٹھا سکیں۔ تو مسجد وُضِعَ لِلنَّاسِ ہوتی ہے اور اس کے دروازے تمام بنی نوع انسان کے لئے کُھلے ہوتے ہیں۔ کالے اور گورے کی اس میں کوئی تمیز نہیں ہوتی، چھوٹے اور بڑے کا اس میں کوئی فرق نہیں ہوتا، بلکہ ہر ایک کا مسجد میں مساوی حق تسلیم کیا جاتا ہے۔ غرض مسجد کا ایک فائدہ یہ ہے کہ وہ بنی نوع انسان میں مساوات پیدا کرتی ہے۔

(۲) تقدّس اور ذکرِ الٰہی کا مرکز

دوسری غرض مسجد کی اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ مُبَارَکاً وہ مقامِ مبارک ہوتا ہے۔ مَیں مسجد کے مقامِ مبارک ہونے کی اور مثالیں دے دیتا ہوں۔

(الف) مسجد اس لئے مقامِ مبارک ہوتا ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کے ذکر کے لئے مخصوص ہوتی ہیں، باقی گھروں میں تو اور کئی قسم کے دُنیوی کام بھی کر لئے جاتے ہیں مگر وہاں دُنیوی کاموں کی اجازت نہیں ہوتی۔ یا اگر کئے بھی جائیں تو وہ اتنے قلیل ہوتے ہیں کہ ان کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔ جیسے مسجد میں اگر کوئی غریب شخص رہتا ہو تو اُسے اجازت ہے کہ مسجد میں بیٹھ کر کھانا کھالے مگر بہرحال زیادہ تر کام مساجد میں یہی ہوتا ہے کہ وہاں ذکرِ الٰہی کیا جاتا ہے اور درود پڑھا جاتا ہے اور دعائیں کی جاتی ہیں اور اس طرح اس مقام پر اللہ تعالیٰ کی برکتیں نازل ہوتی ہیں۔

(ب) پھر مساجد اس لحاظ سے بھی مقامِ مبارک ہوتی ہیں کہ وہ پاکیزگی کا مقام ہوتی ہیں اور یہ اجازت نہیں ہوتی کہ وہاں گند پھینکا جائے، مثلاً پاخانہ پیشاب کرنے، تُھوکنے یا بلغم پھینکنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ اسی طرح حکم ہے کہ گندی اور بَدبُودار چیزیں کھا کر مسجد میں مت آوَ۔ جُنبی کا مسجد میں آنا بھی منع ہے۔ پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ یہ ہدایت دیا کرتے تھے کہ مساجد کو صاف سُتھرا رکھو اور اس میں خوشبوئیں جلاتے رہو[۴] مگر افسوس ہے کہ مسلمانوں نے اِس ہدایت کو بالکل نظر انداز کر رکھا ہے اور ان کی مسجدیں اتنی گندی ہوتی ہیں کہ وہاں نماز پڑھنے

تک کو جی نہیں چاہتا۔

(۳) بنی نوع انسان کی ہدایت کا ذریعہ

تیسری غرض اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ هُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ یعنی مسجدیں لوگوں کے لئے ہدایت کا موجب ہوتی ہیں۔ وہ اس طرح کہ وہاں دین کی تعلیم اور تبلیغ کا انتظام مثلاً خطبہ ہوتا ہے جس میں وعظ و نصیحت کی جاتی ہے، دینی اور اخلاقی باتیں بتائی جاتی ہیں اور لوگوں کو قربانیوں پر آمادہ کیا جاتا ہے۔ اسی طرح تذکیر و تحمید سے کام لیا جاتا ہے، دینی و دُنیوی اصلاحات کے متعلق مشورے ہوتے ہیں اور مسلمانوں کی بہتری اور ان کی ترقی کی باتیں بیان کی جاتی ہیں۔ اسی طرح مسجدوں میں قرآن کا درس ہوتا ہے، حدیث کا درس ہوتا ہے، پھر نمازوں میں سے تین نمازیں بِالخصوص ایسی ہیں جن میں تلاوت بِالجہر کی جاتی ہے اور تلاوت بِالجہر ایک قسم کا وعظ ہوتا ہے، کیونکہ قرآن کریم کی ہر آیت وعظ ہے اور جب بلند آواز سے اُس کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو لوگوں کے قلوب صاف ہوتے ہیں اور ان میں اللہ تعالیٰ کی خشیت اور محبت پیدا ہوتی ہے۔ غرض مسجدیں هُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ کا کام دیتی ہیں وہاں لوگوں کی دینی تربیت ہوتی ہے، انہیں اعلیٰ روحانی باتیں بتائی جاتی ہیں اور اسلامی احکام دوسروں تک پہنچائے جاتے ہیں پس مسجد کی یہ تین اغراض اس آیت سے مستنبط ہوتی ہیں۔

مساجد کی بعض اور اغراض

اس کے بعد میں نے اور غور کیا تو مجھے قرآن کریم میں ایک اور آیت بھی نظر آئی جس میں مساجد کے بعض اور مقاصد بیان کئے گئے ہیں اور وہ آیت یہ ہے۔ وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَ اَمْنًا وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى وَ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَ الْعٰكِفِيْنَ وَ الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ [۵]

فرماتا ہے اُس وقت کو یاد کرو جب ہم نے اس گھر یعنی خانہ کعبہ کو لوگوں کے لئے مَثَابَہ بنایا، یعنی تمام دنیا کے لئے نسل اور قومیت کے امتیاز کے بغیر اور مُلک اور زبان کے امتیاز کے بغیر ہر ایک انسان کے لئے اس کے دروازے کھلے ہیں مَثَابَةً کے لُغت میں یہ معنے لکھے ہیں کہ مُجْتَمَعُ النَّاسِ وَ مَاحَوْلَ الْبِئْرِ مِنَ الْحِجَارَةِ [۶] یعنی مَثَابَہ کے معنے ہیں جمع ہونے کی جگہ۔ اسی طرح مَثَابَہ اُس منڈیر کو کہتے ہیں جو کنویں کے اِردگرد بنائی جاتی ہے اور جس سے غرض یہ ہوتی ہے کہ جب زور کی ہوا چلے تو کوڑا کرکٹ اور گوبر اُڑ کر اندر نہ چلا جائے، یا کوئی اور گندی چیز کنویں

کے پانی کو خراب نہ کر دے۔ اسی طرح مُنڈیر سے یہ غرض بھی ہوتی ہے کہ کوئی شخص غلطی سے کنویں میں نہ گِر جائے، غرض منڈیر کا مقصد کنویں کو بُری چیزوں اور لوگوں کو گرنے سے بچانا ہوتا ہے۔

مساجد دینی تربیت کا مرکز، بُرائیوں سے محفوظ رکھنے کا ذریعہ اور قیامِ امن کا موجب ہوتی ہیں

پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ہم نے اِس مسجد کو ایک تو اِس غرض کے لئے بنایا ہے کہ دنیا کے چاروں طرف سے لوگ اس جگہ آئیں اور یہاں آ کر دینی تربیت اور اعلیٰ اخلاق حاصل کریں۔ دوسرے ہم نے مسجد کو اس لئے بنایا ہے تا کہ وہ دنیا کے لئے منڈیر کا کام دے اور ہر قسم کی بُرائیوں اور شر سے لوگوں کو محفوظ رکھے۔ تیسری غرض یہ بیان فرمائی کہ مسجد امن کے قیام کا ذریعہ ہوتی ہے اس کے بعد فرماتا ہے وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّی ہم نے اس مسجد کو اس لئے بھی قائم کیا ہے تا کہ لوگ مقامِ ابراہیم پر بیٹھیں اور اسے مصلّٰی بنائیں۔ اور ہم نے ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ کو بڑے زور سے یہ نصیحت کی تھی اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ کہ تم میرے اس گھر کو پاک رکھو (اِن الفاظ میں بعض اور اغراض بھی بیان کر دی گئی ہیں) لِلطَّآئِفِيْنَ مسافروں کے لئے وَالْعٰكِفِيْنَ اور مقیموں کے لئے وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ اور اُن لوگوں کے لئے جو اپنے کاروبار کو چھوڑ کر اس مسجد میں ذکرِ الٰہی کرنے کے لئے آ بیٹھے ہیں۔

اِس آیت سے مسجد کی یہ مزید اغراض معلوم ہوتی ہیں۔ (۴) مساجد لوگوں کو جمع کرنے کے لئے بنائی جاتی ہیں۔ (۵) مساجد شر سے روکنے کے لئے بنائی جاتی ہیں۔ (۶) مساجد امن کے قیام کے لئے بنائی جاتی ہیں۔ (۷) امامت کو ان کے ذریعہ زندہ رکھا جاتا ہے۔

مسئلہ امامت کا دائمی اِحیاء

چنانچہ دیکھ لو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تو مدینہ میں ہوتے تھے مگر مسلمان جہاں کہیں ہوتے ایک شخص کو امام بنا کر اُس کی اقتداء میں نمازیں ادا کرنے لگ جاتے اور اب بھی ہر مسجد میں ایک امام ہوتا ہے جس کی اقتداء میں لوگ نمازیں ادا کرتے ہیں۔ امام درحقیقت قائمقام ہوتا ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اور مقتدی قائمقام ہوتے ہیں صحابہٴ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے۔ جس طرح صحابہؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اقتداء میں نمازیں ادا کرتے تھے اسی طرح آج ہر مسجد میں مسلمان ایک امام کی اقتداء میں نمازیں ادا کرتے ہیں۔ گویا سابق نیکی کے لیڈروں کو زندہ رکھا جاتا اور مساجد کے ذریعہ امامت کو ہر وقت قوم کی آنکھوں کے سامنے رکھا جاتا ہے اور

مساجد لوگوں کو یہ مسئلہ یاد دلاتی رہتی ہیں کہ تم میں ایک امام ہونا چاہئے اور اس امام کی اقتداء میں تمہیں ہر کام کرنا چاہئے۔

مسافر اور مقیم کے فوائد مساجد سے ہی وابستہ ہیں

(۸) مساجد مسافروں کے فائدہ کے لئے بنائی جاتی ہیں۔ مثلاً مسافر وہاں ٹھہر سکتا ہے اور چند روزہ قیام کے بعد اپنی منزلِ مقصود کو جا سکتا ہے۔

(۹) الْعٰكِفِيْنَ مساجد شہر میں بسنے والوں کے فائدہ کے لئے بنائی جاتی ہیں۔ مثلاً:-

(الف) گھروں میں تو شور و شغب ہوتا ہے اور انسان سکون کے ساتھ ذکرِ الٰہی نہیں کر سکتا مگر وہاں ہر قسم کے شور و شر سے محفوظ ہو کر آرام سے لوگ ذکرِ الٰہی کر سکتے ہیں۔

(ب) وہ وہاں اجتماعی عبادت کا فائدہ اُٹھاتے ہیں اگر مساجد نہ ہوں تو ایک نظام کے ماتحت عبادت نہ ہو سکے۔ مثلاً جب جمعہ کا دن آتا ہے تو سب مسلمان اپنے اپنے محلوں کی مساجد کی بجائے جامع مسجد میں اکٹھے ہو جاتے اور اجتماعی عبادت بجا لاتے ہیں، اس طرح مساجد انہیں اجتماعی حیثیت سے کام کرنے کی عادت ڈالتی ہیں۔

(۱۰) وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ اُن میں وہ لوگ رہتے ہیں جو خالص اللہ تعالیٰ کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیتے ہیں۔

واقفینِ زندگی اور مساجد

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں جو لوگ اپنے آپ کو خدمتِ دین کے لئے وقف کر دیا کرتے تھے وہ مسجد میں ہی رہتے تھے اور انہیں اَصْحَابُ الصُّفَّه کہا جاتا تھا۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں تشریف لاتے تو وہ آپ کی باتیں سُنا کرتے اور بعد میں لوگوں تک پہنچا دیتے۔ غرض مسجدیں واقفینِ زندگی کو جمع کرنے کا ایک ذریعہ ہیں۔ گاؤں والے بعض دفعہ اتنے غریب ہوتے ہیں کہ وہ الگ کسی جگہ مدرسہ نہیں کھول سکتے ایسی حالت میں وہ مسجد سے مدرسہ کا کام بھی لے سکتے ہیں، کیونکہ ہمارا مدرسہ بھی مسجد ہے اور واقفینِ زندگی کی جگہ بھی مسجد میں ہے۔

مساجد کے مشابہہ صرف انبیاء کی جماعتیں ہیں

اب میں بتاتا ہوں کہ یہ اغراض اور مقاصد آیا کسی اور چیز کے بھی ہیں یا نہیں اور مسجد کے مشابہہ عالَمِ روحانی میں بھی کوئی چیز دکھائی دیتی ہے یا نہیں؟ اِس کے لئے پہلے میں علمِ تعبیر الرؤیا کو لیتا ہوں کیونکہ رؤیا میں تمثیلی زبان استعمال کی جاتی ہے اور

خوابوں کی تعبیر سے انسان معلوم کر سکتا ہے کہ ظاہری چیزوں کی مشابہت کِن روحانی چیزوں سے ہوتی ہے۔ اس مقصد کے لئے جب ہم علمِ تعبیر الرؤیا کو دیکھتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ مسجد انبیاء کی جماعت کو کہتے ہیں۔ پس مساجد کے مشابہہ عالَمِ روحانی میں اگر کوئی چیزیں ہیں تو انبیاء کی جماعتیں ہیں۔ اب دیکھنا یہ چاہیئے کہ کیا انبیاء کی جماعتوں میں وہ باتیں پائی جاتی ہیں جو مساجد کی اغراض ہیں؟ اگر پائی جاتی ہیں تو ہمیں تسلیم کرنا پڑے گا کہ واقعہ میں روحانی دنیا میں بھی مساجد ہیں اور وہ ظاہری مساجد سے بہت زیادہ شاندار ہیں۔ آج تک دنیا میں خدا تعالیٰ کے بہت سے انبیاء ہوئے ہیں، حضرت آدم علیہ السلام ہوئے ہیں، حضرت نوح علیہ السلام ہوئے ہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام ہوئے ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام ہوئے ہیں۔ اِسی طرح حضرت داؤد، حضرت سلیمان، حضرت یحیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام ہوئے ہیں اور ہر نبی نے کوئی نہ کوئی جماعت قائم کی ہے۔ پس اگر ہم غور کریں تو ہر نبی کی جماعت میں ہمیں یہ مشابہتیں نظر آجائیں گی اور ہمیں معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان امور کے پورا کرنے کے لئے مختلف روحانی مساجد بنائی گئی تھیں مگر میں تفصیلاً ان کے حالات اس جگہ بیان نہیں کر سکتا کیونکہ:-

(۱) ایک تو مضمون لمبا ہو جاتا ہے۔

(۲) دوسرے سب مساجد کے تفصیلی حالات محفوظ نہیں۔ اس لئے میں صرف آخری مسجد کو لے لیتا ہوں جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانہ میں تیار ہوئی اور جس کی نسبت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں کہ مَسْجِدِیْ اٰخِرُ الْمَسَاجِدِ [۷]

صحابہؓ کے متعلق ایک اُصولی نکتہ

اب میں ایک ایک کر کے مساجد کی اغراض کی نسبت ثابت کرتا ہوں کہ وہ تمام کی تمام اس روحانی مسجد سے پوری ہوئی ہیں۔ مگر ایک بات میں کہہ دینا چاہتا ہوں اور وہ یہ کہ بعض واقعات اِس قسم کے ہوتے ہیں کہ اگر ان کے متعلق تاریخی طور پر بحث کی جائے تو وہ بہت لمبی ہو جاتی ہے اس لئے اصولی طور پر ایک نکتہ یاد رکھنا چاہیئے اور وہ یہ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے متعلق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ کَانَ خُلُقُهُ الْقُرْاٰنُ [۸] آپ کے اخلاق وعادات اگر معلوم کرنا چاہو تو قرآن پڑھ لو جو کچھ اس میں لکھا ہے وہی کچھ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں پایا جاتا تھا۔ حضرت عائشہؓ نے یہ بات جس موقع پر بیان فرمائی، اس کی تفصیل یہ ہے کہ آپ کی خدمت میں بعض لوگ حاضر ہوئے اور انہوں نے کہا کہ ہمیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ حالات

سُنائے جائیں۔ آپ نے فرمایا کَانَ خُلُقُہُ الْقُرْاٰنُ مجھ سے حالات کیا پوچھتے ہو، قرآن پڑھ کر دیکھ لو جتنی نیک اور پاک باتیں اس میں لکھی ہیں وہ سب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود باجود میں پائی جاتی تھیں۔ مجھے بھی کئی دفعہ خیال آیا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و عادات کے متعلق ایک ایسی کتاب لکھی جائے جس میں تاریخ یا حدیث سے مدد نہ لی جائے بلکہ صرف قرآن کریم سے استنباط کر کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر روشنی ڈالی جائے (کاش! کوئی شخص اسی اصل کے مطابق ایک مدلّل کتاب لکھ کر اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کرے)

غرض جس طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق حضرت عائشہؓ نے یہ فرمایا تھا کہ کَانَ خُلُقُہُ الْقُرْاٰنُ آپؐ کے اخلاقِ عالیہ کا پتہ لگانے کے لئے تاریخی کتب کی ورق گردانی اور زید بکر سے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے قرآن اُٹھاؤ اور اسے پڑھ لو، جتنی اچھی باتیں ہیں وہ سب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں پائی جاتی تھیں۔ اسی طرح صحابہؓ کے متعلق بھی ہمیں ایک اصولی نکتہ قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے اور وہ یہ کہ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ حَبَّبَ اِلَیْکُمُ الْاِیْمَانَ وَ زَیَّنَہٗ فِیْ قُلُوْبِکُمْ وَ کَرَّہَ اِلَیْکُمُ الْکُفْرَ وَ الْفُسُوْقَ وَ الْعِصْیَانَ[9]

فرماتا ہے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی جماعت! تم وہ ہو کہ تمہارے دلوں میں خدا نے ایمان کی محبت ڈال دی ہے اور تمہاری حالت یہ ہوتی ہے کہ قرآن جو کچھ کہتا ہے تم اس پر فوری طور پر عمل کرنے لگ جاتے ہو اور اس نے ایمان کو تمہاری نظروں میں اتنا خوبصورت بنا دیا ہے کہ تمہیں اس کے بغیر چین ہی نہیں آتا جس طرح خوبصورت چیز کی طرف جُھکتے ہو اور اُسے ایک لمحہ کے لئے بھی اپنے ہاتھ سے نہیں جانے دیتے وَکَرَّہَ اِلَیْکُمُ الْکُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَ الْعِصْیَانَ اور اُس نے کُفر، فسق اور نافرمانی سے تمہیں اتنا متنفر کر دیا ہے کہ تم اس کی طرف رغبت ہی نہیں کرتے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام اور صحابہؓ دو مترادف الفاظ ہیں اگر اسلام میں کوئی حُکم پایا جاتا ہے تو صحابہؓ نے اس پر یقیناً عمل کیا ہے اور اگر صحابہؓ نے کسی بات پر عمل کیا ہے تو اسلام میں وہ ضرور پائی جاتی ہے جس طرح حضرت عائشہؓ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرمایا تھا کہ کَانَ خُلُقُہُ الْقُرْاٰنُ اسی طرح صحابہؓ جس بات پر عمل کریں اُس کے متعلق سمجھ لینا چاہئے کہ وہ اسلام میں پائی جاتی ہے اور اسلام نے جس قدر احکام دیئے ہیں اُن کے متعلق سمجھ لینا چاہئے کہ ان پر صحابہؓ نے ضرور عمل کیا ہے۔ اس تمہید کے بعد اب میں اصل مضمون کی طرف آتا ہوں اور بتاتا ہوں کہ مسجد کی اغراض رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کے صحابہؓ نے کس طرح پوری کیں۔

صحابہ کے ذریعہ بنی نوع انسان کے حقوق کی حفاظت

اوّل ۔ غرض مسجد کی یہ ہے کہ لِلنَّاس ہوتی ہے

یعنی اس کے ذریعہ بنی نوع انسان کے حقوق کی حفاظت کی جاتی ہے اور سب انسانوں کو فائدہ پہنچایا جاتا ہے۔ اس بارہ میں قرآن کریم میں آتا ہے۔ کُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ [۱۰]

یعنی اے مسلمانو! تم سب اُمتوں سے بہتر ہو۔ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تم کسی ایک قوم کے فائدہ کے لئے کھڑے نہیں ہوئے بلکہ تم کالوں کے لئے بھی ہو اور گوروں کے لئے بھی ہو، مشرقیوں کے لئے بھی ہو اور مغربیوں کے لئے بھی ہو، تمہارا دروازہ سب کے لئے کُھلا ہے اور تمہارا فرض ہے کہ تم سب کو آواز دو اور کہو کہ آجاؤ مشرق والو، آجاؤ مغرب والو، آجاؤ شمال والو، آجاؤ جنوب والو، آجاؤ غریبو، آجاؤ امیرو، آجاؤ طاقتورو، آجاؤ کمزورو۔ غرض تم سب کو آواز دو کیونکہ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تم وہ قوم ہو جو ساری دنیا کے فائدہ کے لئے پیدا کی گئی ہو۔ جس طرح وہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ وہ پہلا گھر ہے جو لِلنَّاسِ بنا، اسی طرح انبیاء کی جماعتیں بھی جب کھڑی کی جاتی ہیں تو لِلنَّاسِ کھڑی کی جاتی ہیں۔ موسیٰؑ کے زمانہ میں اُمتِ موسوی کا دروازہ گو صرف بنی اسرائیل کے لئے کُھلا تھا مگر اپنے دائرہ میں وہاں بھی کامل مساوات تھی لیکن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اس دائرہ کو ایسا وسیع کر دیا گیا کہ ساری دنیا کو اس کے اندر شامل کر لیا گیا۔ پس فرماتا ہے اے مسلمانو! تم لوگوں کے فائدہ کے لئے بنائے گئے ہو۔ اس کے بعد اس کا ذکر فرماتا ہے کہ مسلمانوں سے لوگوں کو فائدہ کس طرح پہنچے گا۔ فرماتا ہے تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ تم لوگوں کو نیکی کی تعلیم دیتے ہو، تمام بنی نوع انسان کو تبلیغ کرتے ہو، انہیں نیک اخلاق سکھاتے ہو، کہتے ہو کہ فلاں فلاں بات پر عمل کرو تا کہ تمہیں خدا تعالیٰ کا قُرب حاصل ہو وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ اور تم بدیوں سے لوگوں کو روکتے ہو، وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ اور تم نڈر ہو کر یہ کام کرتے ہو۔ یہاں ایمان سے صرف مان لینا مراد نہیں، کیونکہ اَمر بِالْمَعْرُوْفِ اور نَهِی عَنِ الْمُنْكَرِ خدا تعالیٰ پر ایمان لائے بغیر نہیں ہوسکتا اور جب ایمان پہلے ہی حاصل تھا تو آخر میں تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ کہنے کی کیا ضرورت تھی۔ اگر اس ایمان سے مراد محض خدا پر ایمان لانا ہوتا تو آیت یوں ہوتی کہ

تُؤْمِنُوْنَ وَ تَامُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ مگر آیت اِس کے اُلٹ ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ایمان کے معنے صرف مان لینے کے نہیں بلکہ کچھ اور ہیں۔ اور وہ معنے جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں یہ ہیں کہ تم لوگوں سے نہیں ڈرتے بلکہ خدا سے ہی ڈرتے ہو اور ان کاموں میں کسی نقصان کی پرواہ نہیں کرتے بلکہ نڈر ہو کر کام کرتے ہو جیسے فرماتا ہے۔ فَسَوْفَ يَاْتِى اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَ يُحِبُّوْنَهٗٓ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ يُجَاهِدُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَايَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ [۱۱]

اُمر بِالمعروف اور نہی عَنِ المُنکر

غرض اس آیت میں یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ جس طرح مادی مسجد تمام بنی نوع انسان کے فائدہ کے لئے ہوتی ہے، اسی طرح یہ روحانی مسجد تمام بنی نوع انسان کے فائدہ کے لئے ہے اور وہ اس پر عمل مندرجہ ذیل طریق سے کرتی ہے۔

(الف) تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ سب انسانوں کو حُسنِ سلوک کی تعلیم دیتی اور اس طرح لوگوں کے حقوق کو محفوظ کرتی ہے۔ تَاْمُرُوْنَ کے الفاظ میں اللہ تعالیٰ نے نظام کی طرف بھی اشارہ کیا ہے اور بتایا ہے کہ مسلمان صرف وعظ ہی نہیں کرتے بلکہ لوگوں سے نیک باتیں منواتے ہیں۔ اگر صرف تَعِظُوْنَ النَّاسَ ہوتا تو اس کے معنے یہ ہوتے کہ وہ لوگوں کو وعظ ونصیحت کرتے ہیں مگر خدا نے تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ کے الفاظ استعمال کئے ہیں جس میں یہ بتایا ہے وہ لوگوں کو صرف وعظ ونصیحت کی بات کہہ دینا کافی نہیں سمجھتے بلکہ لوگوں سے عمل بھی کراتے ہیں۔ اگر تعلیم سے عمل ہو تو تعلیم دیتے ہیں، تربیت سے عمل ہو تو تربیت کرتے ہیں، منّت سماجت سے کوئی عمل کرنے کے لئے تیار ہو تو اس کی منّت سماجت کرتے ہیں اور اگر کوئی نگرانی کا محتاج ہو جیسے نابالغ بچے ہیں تو اسے حُکم دیتے ہیں (یعنی ان امور میں اور ان لوگوں کو جن میں اور جن کو حُکم دینے کی اجازت ہے حُکم دیتے ہیں ورنہ بالغ اور عاقل سے جبراً کوئی امر منوانا جو اس کے عقیدہ کے خلاف ہو اسلام میں جائز نہیں) غرض وہ صرف اپنی زبان سے بات نکال کر خوش نہیں ہو جاتے بلکہ جس طرح بھی بن پڑتا ہے لوگوں سے عمل کرانے کی جِدّ وجُہد کرتے ہیں اور جب تک لوگوں کی عملی حالت درست نہ ہو جائے خوش نہیں ہوتے۔

(ب) تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وہ تمام بنی نوع انسان کو ظلم اور تعدّی اور شرارت سے روکتے ہیں۔ یہاں بھی نہی کا لفظ استعمال فرمایا ہے وعظ کا نہیں۔

توکّل عَلَی اللہ

(ج) وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ اس جگہ تُؤْمِنُوْنَ کو آخر میں رکھنا صاف بتا رہا ہے کہ یہاں عام ایمان مراد نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ ان کاموں میں کسی نقصان سے نہیں ڈرتے اور نڈر ہو کر کام کرتے ہیں۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ اس مسجد نے اس غرض کو کس طرح پورا کیا اور کس طرح تمام بنی نوع انسان میں اُس نے مساوات کو قائم کیا۔

مساوات کے قیام کے لئے غلامی کو مِٹا دیا گیا!

مساوات کے قیام کے لئے اس جماعت نے سب سے پہلے غلامی کو مِٹا یا اور جس طرح مسجد میں کوئی آقا اور کوئی غلام نہیں رہتا اسی طرح مسلمان ہو کر کوئی آقا اور کوئی غلام نہیں رہتا۔ غلامی کے متعلق اسلام نے ایک مفصّل تعلیم دی ہے میں صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ نے سارا زور اِس امر پر صَرف کر دیا کہ دنیا سے غلامی کو مِٹا دیا جائے۔ چنانچہ اس مسئلہ کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک اصل بیان کیا ہے اور میں اپنی جماعت کے لیکچراروں کو ہمیشہ کہا کرتا ہوں کہ وہ اسے بیان کیا کریں۔ وہ اصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُوَ اِمَّا فِدَآءً[۱۲] کہ جب کوئی غلام پکڑا جائے تو اس کے متعلق شریعت میں صرف دو۲ ہی حُکم ہیں یا تو احسان کر کے چھوڑ دو یا جُرم کا جُرمانہ وصول کر کے چھوڑ دو، قید کا حُکم کہیں نہیں۔ پس دو ہی حُکم ہیں یا تو یہ کہ غلام پر احسان کرو اور اُسے آزاد کر و اور یا یہ حُکم ہے کہ کچھ ٹیکس اور جُرمانہ وصول کرو اور اُسے چھوڑ دو۔ پھر اِس جُرمانہ کے متعلق بھی یہ شرط ہے کہ اگر غلام مکاتبت چاہے تو مکاتبت بھی کر سکتا ہے اور یہ مکاتبت کی شرط اس لئے رکھی گئی ہے کہ فرض کرو ایک شخص کے پاس روپیہ تو نہیں مگر وہ آزاد ہونا چاہتا ہے تو وہ کرے تو کیا کرے؟ اگر نقد روپیہ دیکر غلام آزاد ہو سکتا تو جس کے پاس روپیہ نہ ہوتا وہ اعتراض کر سکتا تھا کہ میری رہائی کی کوئی صورت اسلام نے نہیں رکھی۔ مگر اسلام چونکہ کامل مذہب ہے اس لئے اُس نے اِس روک کو بھی دُور کر دیا اور یہ اصول مقرر کر دیا کہ اگر غلام مکاتبت کا مطالبہ کرے تو اُسے مکاتبت دے دینی چاہئے۔ مکاتبت کا مطلب یہ ہے کہ غلام کہہ دے میں آزاد ہونا چاہتا ہوں تم میرا جُرمانہ مقرر کر دو۔ میں محنت اور مزدوری کر کے اپنی کمائی میں سے ماہوار قسط تمہیں دیتا چلا جاؤں گا۔ جب کوئی غلام یہ مطالبہ کرے تو اسلامی شریعت کے ماتحت قاضی کے پاس مقدمہ جائیگا اور وہ اُس کی لیاقت اور قابلیت کو دیکھ کر اور

یہ اندازہ لگا کر کہ وہ ماہوار کتنا کما سکتا ہے اُس کے ذمّہ ایک رقم مقرر کر دیگا اور پھر اس کے ماہوار گزارے کو مِنہا کر کے مطالبہ کرے گا کہ اتنی رقم ماہوار تم تاوان کے طور پر ادا کرتے چلے جاؤ۔ اس طرح وہ اَقساط کے ذریعہ تاوان ادا کرتا رہے گا مگر جُزوی آزاد وہ اسی دن سے ہو جائے گا جس دن وہ قاضی کے سامنے یہ اقرار کریگا۔ اگر ادائیگیٔ رقم سے پہلے وہ شخص فوت ہو جائے تو اُس کا بقیہ مال اور ترکہ آقا کو مل جائے گا۔ اور اگر وہ زندہ رہے گا تو اس فیصلہ کے ماتحت وہ اپنی رقم ادا کرنے پر مجبور ہوگا۔ غرض اسلامی جنگوں کے ماتحت جب بھی غلام گرفتار ہو کر آئیں گے انہیں یا تو ہمیں خود چھوڑ دینا ہوگا یا ہمیں حُکم ہوگا کہ ہم تاوان وصول کریں۔ اگر اس کے بھائی بند اور رشتہ دار اُس وقت آزادی کی قیمت ادا کریں تو وہ اُس وقت آزاد ہو جائے گا۔ اور اگر اس کے رشتہ دار غریب ہوں یا وہ فدیہ ادا کرنا پسند نہ کریں تو وہ مکاتبت کا مطالبہ کرنے کا حق دار ہوگا اور مسلمان قاضی کا فرض ہوگا کہ وہ اُس کی حیثیت کے مطابق اس پر فدیہ عائد کرے اور پھر اس کا گزارہ مقرر کر کے مناسب رقم ماہوار بطور فدیۂ آزادی ادا کرنے کا اُسے حُکم دے۔ جب یہ عہد و پیمان تحریری طور پر ہو جائے گا تو اُس دن سے ہی وہ اپنے اعمال کے لحاظ سے آزاد ہو جائے گا۔

اب دیکھو! اس تعلیم کے ہوتے ہوئے کیا کوئی شخص بھی اپنی مرضی کے خلاف غلام رہ سکتا ہے؟ جب بھی کوئی غلام آئے گا ہم اِس بات کے پابند ہونگے کہ یا تو اُسے خود آزاد کر دیں یا وہ فدیہ ادا کر کے آزاد ہو جائے۔ اور اگر اس کی طاقت میں یہ بات نہ ہو تو اس کے بیوی بچے اور رشتہ دار فدیہ ادا کر دیں اور اگر وہ بھی ادا نہ کر سکتے ہوں تو قاضی کے پاس جا کر فدیہ ادا کرنے کا اقرار کرے اور قاضی ادائیگی کی جو صورت تجویز کرے اُس پر عمل کرے، اِن تمام صورتوں میں وہ آزاد ہو جائے گا۔ اور اگر کوئی شخص ان شرائط میں سے کسی شرط سے بھی فائدہ نہیں اُٹھاتا تو اِس کے معنے یہ ہیں کہ وہ اپنے آپ کو غلام نہیں سمجھتا بلکہ گھر کا ایک فرد سمجھتا ہے اور عُرفِ عام کی رُو سے آزاد ہونے کو پسند ہی نہیں کرتا۔

حضرت زیدؓ کا اپنی آزادی پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کو ترجیح دینا

ممکن ہے کوئی کہہ دے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص دوسرے کے گھر کو اپنے گھر سے بہتر قرار دے اور کسی شرط پر بھی آزاد ہونا پسند نہ کرے۔ سو اس کے لئے میں ایک مثال دیدیتا ہوں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بعض دفعہ ایسے حالات بھی پیدا ہو سکتے

ہیں کہ کوئی شخص غلامی کو اپنے گھر کی آزادی پر ترجیح دینے کے لئے تیار ہو جائے وہ مثال یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جس قدر غلام تھے اُن تمام کو حضرت خدیجہؓ سے شادی ہوتے ہی آپ نے آزاد کر دیا تھا۔ اس کے بعد تاریخ سے ثابت نہیں کہ آپ نے اپنے پاس کوئی غلام رکھا ہو ہاں غلام کو آزاد کر کے اسے خادم کے طور پر رکھا ہو تو یہ اور بات ہے۔ لیکن ایک غلام جن کا نام زید تھا وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہی رہے اور انہوں نے آزاد ہونا پسند نہ کیا۔ یہ ایک مالدار خاندان میں سے تھے۔ کسی جنگ میں انہیں یونانی لوگ پکڑ کر لے گئے تھے، پھر فروخت ہوتے ہوتے یہ مکہ پہنچے اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے انہیں خرید لیا۔ جب حضرت خدیجہؓ کی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے شادی ہوئی تو انہوں نے اپنا تمام مال اور غلام، رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ہبہ کر دیا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ اِس ہبہ کے بعد میں پہلا کام یہ کرتا ہوں کہ ان تمام غلاموں کو آزاد کر دیتا ہوں۔ چنانچہ آپ نے سب کو آزاد کر دیا۔ ادھر حضرت زیدؓ کے باپ اور چچا، زید کو تلاش کرتے ہوئے اور ڈھونڈتے ہوئے مکہ آ نکلے۔ وہاں انہیں معلوم ہؤا کہ زید رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہے۔ وہ یہ سُن کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے عرض کیا کہ ہمارا ایک بچہ آپ کے پاس غلام ہے آپ ہم سے روپیہ لے لیں اور اسے آزاد کر دیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تو اسے آزاد کر چکا ہوں۔ انہیں خیال آیا کہ شاید یہ بات انہوں نے یونہی ہمیں خوش کرنے کے لئے کہہ دی ہے ورنہ کیسے ممکن ہے کہ انہوں نے بغیر روپیہ لئے اسے آزاد کر دیا ہو۔ چنانچہ وہ پھر منت سماجت کرنے لگے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید کو آواز دی اور جب وہ آئے تو آپ نے فرمایا یہ تمہارے باپ اور چچا ہیں اور تمہیں لینے کے لئے آئے ہوئے ہیں، میرے ساتھ مسجد میں چلو تا کہ مَیں اعلان کر دوں کہ تم غلام نہیں بلکہ آزاد ہو چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں مسجد میں لے گئے اور اعلان کر دیا کہ زید غلام نہیں وہ آزاد ہے اور جہاں جانا چاہے جا سکتا ہے۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اعلان کر دیا تو ان کے باپ اور چچا دونوں بہت خوش ہوئے اور زید سے کہا کہ اب ہمارے ساتھ چلو، مگر حضرت زید اُسی وقت مسجد میں کھڑے ہو گئے اور انہوں نے کہا اے لوگو! تم اِس بات کے گواہ رہو کہ گو محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے آزاد کر دیا ہے مگر میں اُن سے آزاد نہیں ہونا چاہتا اور انہی کے پاس رہنا چاہتا ہوں۔

باپ اور چچا نے شور مچا دیا کہ تم عجیب بے وقوف ہو کہ اپنے گھر اور اپنے والدین پر اِس شخص کی رفاقت کو ترجیح دیتے ہو۔ انہوں نے کہا مجھے باپ سے بھی محبت ہے اور ماں سے بھی، اسی طرح باقی سب رشتہ داروں سے مجھے اُلفت ہے مگر بخدا! یہ شخص مجھے سب سے زیادہ پیارا ہے اور میں اس سے جُدا ہونا پسند نہیں کرسکتا۔ یہی وہ موقع ہے جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان کیا کہ زید اَب میرا بیٹا ہے۔[۱۳] گویا پہلے تو آپ نے زید کو آزاد کیا اور پھر اسے اپنا بیٹا بنا لیا۔ اب دیکھو زید ایک غلام تھا جسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آزاد کیا مگر اس نے اپنے گھر کی آزادی اور دولت کو پسند نہ کیا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صُحبت میں رہنا اُسے زیادہ پیارا معلوم ہؤا۔

جنگوں میں گرفتار ہونے والوں کے متعلق اسلامی احکام

اسی طرح جب بھی اسلامی جنگوں کے نتیجہ میں غلام گرفتار ہو کر آئیں اُن کے متعلق شریعت کا یہی حُکم ہے کہ مسلمان یا تو احسان کر کے انہیں چھوڑ دیں یا فدیہ وصول کر کے چھوڑ دیں یا مکاتبت کے ذریعہ سے چھوڑ دیں اور اگر اس کے باوجود کوئی شخص آزاد نہیں ہوتا تو یہ اُس کی مرضی پر منحصر ہے۔ اگر اس کے پاس روپیہ نہیں تو وہ مجسٹریٹ کے پاس جا کر درخواست دے سکتا ہے کہ میرے پاس روپیہ نہیں میری حیثیت کے مطابق مجھ پر جُرمانہ لگا دیا جائے، میں روپیہ کما کر ماہوار اتنی رقم ادا کرتا چلا جاؤں گا۔ لیکن اگر اِس کے باوجود وہ آزادی کے لئے کوشش نہیں کرتا تو اس کے معنے یہ ہونگے کہ مسلمان کا گھر اُسے ایسا اچھا معلوم ہوتا ہے کہ وہ کُفر کی آزادی کو پائے اِستحقار سے ٹُھکرانے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ پس جس طرح مسجد مساوات کو قائم کرتی ہے اسی طرح اسلام نے غلامی کو مٹا کر دُنیا میں مساوات قائم کی۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عملی نمونہ

پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عملی نمونہ یہ دکھایا کہ اپنی پھوپھی زاد بہن کو اِسی زید سے جو آزاد شدہ غلام تھا بیاہ دیا، حالانکہ عرب لوگ اسے بہت بُرا سمجھتے تھے۔ اسی طرح اسامہ جو زید کے بیٹے تھے انہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ ایسے لشکر کا سردار مقرر کر دیا جس میں دس ہزار مسلمان تھے اور جس میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ تک شامل تھے حالانکہ عربوں میں غلاموں کے بیٹے بھی غلام ہی سمجھے جاتے تھے۔ اب بتاؤ دنیا کی اور کونسی قوم ہے جس نے

لوگوں کو اس قسم کی آزادی عطا کی اور مساوات کا یہ حیرت انگیز ثبوت پیش کیا ہو کہ آزاد شُدہ غلام کے بیٹے کو ایک لشکرِ جرار کا اُس نے سردار مقرر کیا اور اس لشکر میں بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ بھی شامل ہوں ۔ پھر یہ نہیں کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے اسامہ کے ماتحت جنگ کرنے میں کوئی ہتک محسوس کی ہو بلکہ وہ بڑی بشاشت اور خوشی کے ساتھ ان کی ماتحتی میں جنگ پر جانے کے لئے تیار ہو گئے ، بلکہ اس لشکر کو تو تاریخِ اسلام میں ایسی عظمت حاصل ہوئی کہ اور کسی لشکر کو ایسی عظمت حاصل ہی نہیں ہوئی اور وہ اس طرح کہ یہ لشکر ابھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے روانہ نہیں فرمایا تھا کہ آپؐ وفات پا گئے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ منتخب ہو گئے ۔ آپ مجبوراً خلافت کی وجہ سے جنگ پر نہیں جا سکتے تھے ، مگر آپ ازخود اس لشکر سے علیحدہ نہیں ہوئے بلکہ اسامہ کو لکھا کہ چونکہ مسلمانوں نے مجھے خلیفہ مقرر کیا ہے اس لئے مجھے اجازت دی جائے کہ میں مدینہ میں ہی رہوں چنانچہ انہوں نے اجازت دے دی ۔ پھر حضرت ابوبکرؓ نے لکھ بھیجا کہ حضرت عمرؓ کا بعض ضروری معاملات میں مشورہ دینے کے لئے مدینہ میں رہنا ضروری ہے اس لئے اجازت دیجئے کہ عمرؓ بھی یہیں رہیں چنانچہ انہوں نے حضرت عمرؓ کو بھی مدینہ میں رہنے کی اجازت دے دی ۔[۱۴] پس حضرت ابوبکرؓ نے اپنی خلافت کے ایام میں ایک غلام بچہ کو اتنی عظمت دی کہ اس کی سیادت اور حکومت کا حق اپنی خلافت کے وقت میں بھی تسلیم کیا اور ایک آدمی بھی بغیر اجازت لشکر سے پیچھے نہیں رہا۔

مساوات کے قیام کے لئے اسلام کا دوسرا اہم حکم

مساوات کے قیام کے لئے اسلام کا دوسرا حکم جس پر تمام صحابہ اور تمام مسلمان بھی شدت سے عمل کرتے رہے ہیں یہ ہے کہ اسلام نے جُرم کی سزا میں چھوٹے بڑے کا کوئی فرق نہیں رکھا۔ اسلام کے نزدیک مُجرم خواہ بڑا ہو یا چھوٹا بہر حال وہ تعزیر کا مستحق ہوتا ہے اور اس میں کسی قسم کے امتیاز کو روا نہیں رکھا جاتا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک دفعہ ایک عورت نے جو کسی بڑے خاندان سے تعلق رکھتی تھی چوری کی اور معاملہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا، ساتھ ہی بعض لوگوں نے سفارش کر دی اور کہا کہ یہ بڑے خاندان کی عورت ہے اس کا ہاتھ نہ کاٹا جائے بلکہ معمولی تنبیہہ کر دی جائے ۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ سُنا تو آپ کے چہرہ پر غضب کے آثار ظاہر ہوئے اور آپؐ نے فرمایا خدا کی قسم! اگر میری بیٹی فاطمہ بھی چوری کرے تو میں اُس کا بھی ہاتھ کاٹ ڈالوں ۔ پھر

آپ نے فرمایا، دیکھو پہلی قومیں یعنی یہود اور نصاریٰ اِس لئے تباہ ہوئیں کہ جب اُن میں سے کوئی بڑا آدمی جُرم کرتا تو اُسے سزا نہ دیتے، جب کوئی چھوٹا آدمی جُرم کرتا تو اسے سزا دیتے۔ مگر اسلام میں اِس قسم کا کوئی امتیاز نہیں اور ہر شخص جو جُرم کرے گا اُسے سزا دی جائیگی خواہ وہ بڑا ہو یا چھوٹا۔[۱۵]

تمدنی معاملات میں مساوات کی اہمیت

پھر اسلام نے مساوات کو تمدنی پہلو میں اتنی عظمت دی ہے کہ ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ کوئی شخص آپ کے پاس دودھ بطور تحفہ لایا۔ آپؐ نے کچھ دودھ پیا اور پھر خیال آیا کہ کچھ دودھ حضرت ابوبکرؓ کو دیدوں کیونکہ وہ بھی اُس وقت مجلس میں موجود تھے اور پھر آپ کے رشتہ دار بھی تھے۔ مگر آپ نے دیکھا کہ وہ دائیں طرف نہیں بیٹھے بلکہ بائیں طرف بیٹھے ہیں اور دائیں طرف ایک نوجوان بیٹھا ہے۔ اسلام نے چونکہ دائیں طرف والے کا حق مقدم رکھا ہے اس لئے آپ نے اُس لڑکے سے کہا کہ اگر تم اجازت دو تو میں یہ دودھ ابوبکرؓ کو دیدوں؟ اس لڑکے نے کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! یہ میرا حق ہے یا آپ یونہی مجھ سے پوچھ رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا۔ بات یہ ہے کہ دائیں طرف بیٹھنے کی وجہ سے اس دودھ پر تمہارا حق ہی ہے مگر میں تم سے اجازت چاہتا ہوں کہ اگر کہو تو ابوبکرؓ کو دودھ دے دُوں۔ اُس نے کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! جب یہ میرا حق ہے تو پھر آپؐ کے تبرّک کو کوئی کس طرح چھوڑ سکتا ہے اور یہ کہہ کر اُس نے دودھ کا پیالہ آپ سے لیکر پینا شروع کر دیا۔[۱۶]

مرضُ الْمَوْت میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد

خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ایک واقعہ بتاتا ہے کہ کس طرح اسلام میں مساوات کا خیال رکھا جاتا ہے۔ جب آپؐ کی وفات کا وقت قریب آیا تو صحابہؓ کو آپ نے بار بار خدا تعالیٰ کی وحی سے خبر دی اور بتایا کہ اب میرا زمانۂ وفات نزدیک ہے۔ اُس وقت ان پر ایک عجیب رقّت طاری تھی اور دلوں میں سوز و گداز پیدا تھا۔ ایک دن آپ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ نے صحابہ کو نصیحتیں کرتے ہوئے فرمایا۔ اے لوگو! اسلامی قانون کے لحاظ سے مجھ میں اور تم میں کوئی فرق نہیں، اگر مجھ سے کوئی غلطی ہوگئی ہو تو مجھ سے بدلہ لے لو۔ اور فرمایا کہ اِس معاملہ میں اگر دنیا میں مجھے سزا مل جائے تو میں اسے زیادہ پسند کروں گا بہ نسبت اس کے کہ اس غلطی کے بارہ میں خدا تعالیٰ مجھ سے جواب طلبی کرے۔ جب آپ نے یہ فرمایا تو ایک

صحابی اُٹھے اور انہوں نے کہا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! میرا ایک حق آپ کے ذمہ ہے آپ نے فرمایا کیا؟ اُس نے کہا فلاں موقع پر جبکہ آپ لڑائی میں مسلمانوں کی صفیں درست کر رہے تھے، اگلی صف میں کچھ خرابی تھی آپ صف میں راستہ بنا کر آگے گزرے تو آپ کی کُہنی مجھے لگ گئی۔ آپ نے فرمایا کہاں لگی تھی؟ اُس نے پیٹھ پر ایک جگہ دکھائی اور کہا اس جگہ لگی تھی۔ آپ اُس وقت بیٹھ گئے اور فرمایا میرے بھی اسی جگہ کُہنی مار لو۔ اس صحابی نے کہا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! اُس وقت میرے تن پر کُرتا نہیں تھا، ننگا جسم تھا اور ننگے جسم پر آپ کی کُہنی لگی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہت اچھا اور یہ کہہ کر آپ نے پیٹھ پر سے کپڑا اُٹھایا اور فرمایا اب تم کُہنی مار لو۔ صحابہؓ کی حالت کا تم اُس وقت اندازہ لگا سکتے ہو، ایک طرف اُن کے دلوں میں یہ جذبات موجزن تھے کہ خدا کا رسول عنقریب ہم سے جُدا ہونے والا ہے اور اِس وجہ سے اُن کے دل سوز وگداز سے بھرے ہوئے تھے اور دوسری طرف اس صحابی کا یہ مطالبہ ان کے سامنے تھا۔ اگر ان کا بس چلتا تو وہ یقیناً اس صحابی کی تِکّہ بوٹی کر دیتے مگر اسلامی شریعت انہیں روک رہی تھی اس لئے وہ خون کے گھونٹ پی پی کر صبر کر گئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کُرتا اُٹھایا اور فرمایا تم نے ٹھیک کیا کہ مجھ سے اب بدلہ لینے لگے ہو اور قیامت پر اُٹھا نہیں رکھا۔ تو وہ صحابی جنھوں نے مطالبہ کیا تھا پُرنم آنکھوں کے ساتھ آپ پر جُھکے اور آپؐ کی پیٹھ پر بوسہ دیتے ہوئے کہا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! بیشک مجھے آپ کی کُہنی لگی تھی مگر میں نے یہ سارا بہانہ اِس وقت صرف اس لئے بنایا تھا تاکہ میں اِس وقت کہ آپ اپنی جُدائی کا ذکر کر رہے ہیں آخری دفعہ آپ کے جسم کو بوسہ دے لوں[۱۷] یہ کس قدر زبردست مساوات ہے جو اسلام نے قائم کی۔ کیا دنیا اِس مساوات کی کوئی بھی نظیر پیش کر سکتی ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ جس طرح مسجد میں امیر اور غریب کا امتیاز اُٹھ جاتا ہے، بادشاہ اور رعایا کا فرق جاتا رہتا ہے، اِسی طرح اسلام میں داخل ہونے کے بعد تمام مساوات کے دائرہ میں آجاتے ہیں اور کسی کو کسی دوسرے پر فضیلت نہیں رہتی۔

حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت کا ایک زرّین واقعہ

پھر یہ عمل آپؐ تک ہی ختم نہیں ہو گیا بلکہ آپ کی وفات کے بعد بھی برابر جاری رہا، حضرت عمرؓ کا ایک مشہور واقعہ ہے جس کے نتیجہ میں گو آپ کو تکلیف بھی اُٹھانی پڑی مگر آپ نے اس تکلیف کی کوئی پرواہ نہ کی اور وہ مساوات قائم کی جو اسلام دنیا میں قائم کرنا چاہتا ہے۔ وہ واقعہ یہ ہے کہ جبلۃ ابن ایہم ایک بہت بڑے عیسائی قبیلے کا سردار تھا

جب شام کی طرف مسلمانوں نے حملے شروع کئے تو یہ اپنے قبیلہ سمیت مسلمان ہو گیا اور حج کے لئے چل پڑا۔ حج میں ایک جگہ بہت بڑا ہجوم تھا، اتفاقاً کسی مسلمان کا پاؤں اس کے پاؤں پر پڑ گیا۔ بعض روایتوں میں ہے کہ اُس کا پاؤں اُس کے جُبّہ کے دامن پر پڑ گیا۔ چونکہ وہ اپنے آپ کو ایک بادشاہ سمجھتا تھا اور خیال کرتا تھا کہ میری قوم کے ساٹھ ہزار آدمی میرے تابع فرمان ہیں، بلکہ بعض تاریخوں سے پتہ چلتا ہے کہ ساٹھ ہزار محض اس کے سپاہیوں کی تعداد تھی۔ بہرحال جب ایک ننگ دھڑنگ مسلمان کا پیر اُس کے پیر پر آ پڑا تو اُس نے غصہ میں آ کر زور سے اُسے تھپڑ مار دیا اور کہا تُو میری ہتک کرتا ہے تُو جانتا نہیں کہ میں کون ہوں، تجھے ادب سے پیچھے ہٹنا چاہئے تھا تُو نے گستاخانہ طور پر میرے پاؤں پر اپنا پاؤں رکھ دیا۔ وہ مسلمان تو تھپڑ کھا کر خاموش ہو رہا مگر ایک اور مسلمان بول پڑا کہ تجھے پتہ ہے کہ جس مذہب میں تُو داخل ہؤا ہے وہ اسلام ہے اور اسلام میں چھوٹے بڑے کا کوئی امتیاز نہیں۔ بِالخصوص اِس گھر میں امیر اور غریب میں کوئی فرق نہیں سمجھا جاتا۔ اُس نے کہا میں اِس کی پرواہ نہیں کرتا۔ اس مسلمان نے کہا کہ عمرؓ کے پاس تمہاری شکایت ہوگئی تو وہ اس مسلمان کا بدلہ تم سے لیں گے۔ جبلہ ابن ایہم نے جب سنا تو آگ بگولا ہو کر کہنے لگا کیا کوئی شخص ہے جو جبلہ ابن ایہم کے منہ پر تھپڑ مارے۔ اس نے کہا کسی اور کا تو مجھے پتہ نہیں مگر عمرؓ تو ایسے ہی ہیں یہ سنکر اُس نے جلدی سے طواف کیا اور سیدھا حضرت عمرؓ کی مجلس میں پہنچا اور پوچھا کہ اگر کوئی بڑا آدمی کسی چھوٹے آدمی کو تھپڑ مار دے تو آپ کیا کِیا کرتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا یہی کرتے ہیں کہ اس کے منہ پر اس چھوٹے شخص سے تھپڑ مرواتے ہیں۔ وہ کہنے لگا آپ میرا مطلب سمجھے نہیں میرا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی بہت بڑا آدمی تھپڑ مار دے تو پھر آپ کیا کِیا کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا اسلام میں چھوٹے بڑے کا کوئی امتیاز نہیں۔ پھر آپ نے کہا جبلہ! کہیں تم ہی تو یہ غلطی نہیں کر بیٹھے؟ اِس پر اُس نے جھوٹ بول دیا اور کہا کہ میں نے تو کسی کو تھپڑ نہیں مارا، میں نے تو صرف ایک بات پوچھی ہے۔ مگر وہ اُسی وقت مجلس سے اُٹھا اور اپنے ساتھیوں کو لے کر اپنے ملک کی طرف بھاگ گیا اور اپنی قوم سمیت مرتد ہو گیا اور مسلمانوں کے خلاف رومی جنگ میں شامل ہؤا۔ لیکن حضرت عمرؓ نے اس کی پرواہ نہ کی۔ [۱۸]

یہ ہے وہ مساوات جس کی مثال کسی اور قوم میں نہیں ملتی اور یہ ویسی ہی مساوات ہے جیسے مسجد مساوات قائم کیا کرتی ہے۔ جس طرح وہاں امیر اور غریب میں کوئی فرق نہیں ہوتا

اِسی طرح اسلام میں چھوٹے بڑے میں کوئی فرق نہیں۔

مساوات کے قیام کے لئے اسلام میں زکوٰۃ کا حُکم

پھر مساوات قائم کرنے کا ایک اور ذریعہ اسلام نے اختیار کیا اور جس پر صحابہ بڑی شدّت سے عمل کرتے تھے زکوٰۃ کا مسئلہ ہے۔ اسلام نے زکوٰۃ اسی لئے مقرر کی ہے تا کہ لوگوں میں مساوات قائم رہے یہ نہ ہو کہ بعض لوگ بہت امیر ہو جائیں اور بعض لوگ غریب ہو جائیں۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم زکوٰۃ کے بارہ میں فرماتے ہیں۔ تُؤْخَذُ مِنْ اَغْنِیَاءِ ھِمْ وَ تُرَدُّ عَلٰی فُقَرَاءِ ھِمْ [۱۹] کہ وہ امیروں سے لی جائے گی اور غریبوں کو دی جائے گی، کیونکہ ان کے اموال میں اس قدر حصہ دراصل غرباء کا ہے اور اُن کا حق ہے کہ اُن کا حصّہ ان کو واپس دیا جائے۔ یہ زکوٰۃ سرمایہ پر اڑھائی فیصدی کے حساب سے وصول کی جاتی ہے اگر سرمایہ پر چھ فیصدی نفع کا اندازہ لگایا جائے تو اَڑھائی فیصدی زکوٰۃ کے معنی یہ بنتے ہیں کہ منافع کا چالیس فیصدی اللہ تعالیٰ غرباء کو دینے کا ارشاد فرماتا ہے گویا شریعت نے ایک بڑا بھاری ٹیکس مسلمانوں پر لگا دیا ہے تا کہ اس روپیہ کو غرباء کی ضروریات پر خرچ کیا جائے اور ان کی ترقی کے سامان مہیا کئے جائیں۔

فتوحات میں حاصل ہونے والے اموال کی تقسیم کے متعلق قرآنی ہدایات

اسی طرح فَیٔ یعنی وہ اموال جو فتوحات میں حاصل ہوں ان کے متعلق شریعت کا حُکم ہے کہ انہیں علاوہ اور قومی ضرورتوں پر خرچ کرنے کے غرباء میں بھی تقسیم کیا جائے تا کہ امیر اور غریب کا فرق مِٹ جائے، اللہ تعالیٰ اس کے متعلق قرآن کریم میں ہدایت دیتے ہوئے فرماتا ہے۔ مَآ اَفَآءَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مِنْ اَھْلِ الْقُرٰی فَلِلّٰہِ وَ لِلرَّسُوْلِ وَ لِذِی الْقُرْبٰی وَ الْیَتٰمٰی وَ الْمَسٰکِیْنِ وَ ابْنِ السَّبِیْلِ کَیْ لَا یَکُوْنَ دُوْلَۃً بَیْنَ الْاَغْنِیَآءِ مِنْکُمْ [۲۰]

کہ وہ اموال جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم کو بغیر کسی محنت کے مل جایا کریں، ان کے متعلق ہماری یہ ہدایت ہے کہ وہ اموال اللہ تعالیٰ کا حق ہیں شریعت کو جب ہم اس نقطۂ نگاہ سے دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے حق سے کیا مراد ہے تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حق سے مراد یہ ہے کہ وہ مال غرباء اور ضروریاتِ دین اور ضروریاتِ قومی پر خرچ کیا جائے۔ ضروریاتِ دینی و ضروریاتِ قومی تو ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری ہونے کی وجہ سے اللہ کے لفظ میں شامل

ہیں، غرباء کے متعلق سوال ہو سکتا ہے کہ وہ اللہ کے لفظ میں کس طرح شامل ہیں؟ سو اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وَمَامِنْ دَا بَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّاعَلَی اللّٰہِ رِزْقُھَا[۲۱] یعنی ہر چلنے والی چیز جو زمین پر رینگتی یا چلتی ہے اللہ تعالیٰ کے ذمّہ ہے کہ اسے رزق پہنچائے۔ پس جب اللہ تعالیٰ کے ذمّہ ہر جاندار کا رزق ہے تو جاندار ایسے ہیں کہ ان کے لئے رزق کمانے کا طریق خدا تعالیٰ نے جاری کیا ہے اگر وہ رزق نہ کما سکیں تو اللہ تعالیٰ کے خزانہ سے انہیں رزق دینا ہوگا اور سب سے مقدّم خزانہ اللہ تعالیٰ کا وہی مال ہے جسے خدا کا مال شریعت نے قرار دیا ہو۔

حدیث میں بھی اس آیت کی تشریح دوسرے الفاظ میں آتی ہے لکھا ہے کہ جب قیامت کے دن لوگ اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونگے تو اللہ تعالیٰ ان میں سے بعض کو فرمائے گا کہ تم جنت میں جاؤ کیونکہ میں بُھوکا تھا تم نے مجھے کھانا کھلایا، میں پیاسا تھا تم نے مجھے پانی پلایا، میں ننگا تھا تم نے مجھے کپڑا پہنایا۔ تب مؤمن حیران ہو کر کہیں گے کہ اے خدا! تُو ہم سے ہنسی کرتا ہے، آپ ننگے کب ہو سکتے تھے، آپ بھوکے اور پیاسے کب ہو سکتے تھے کہ ہم آپ کو کپڑے پہناتے، ہم آپ کو کھانا کھلاتے اور ہم آپ کو پانی پلاتے۔ تب خدا تعالیٰ فرمائیگا کہ تم میری بات کو نہیں سمجھے، جب دُنیا میں کوئی غریب بندہ بُھوکا ہوتا تھا اور تم اسے کھانا کھلاتے تھے تو تم اسے کھانا نہیں کھلاتے تھے بلکہ مجھے کھانا کھلاتے تھے اور جب دُنیا میں کوئی غریب آدمی پیاسا ہوتا تھا اور تم اسے پانی پلاتے تھے تو تم اسے پانی نہیں پلاتے تھے بلکہ مجھے پانی پلاتے تھے اور جب دنیا میں کوئی غریب آدمی ننگا ہوتا تھا اور تم اسے کپڑے پہناتے تھے تو تم اسے کپڑے نہیں پہناتے تھے بلکہ مجھے کپڑے پہناتے تھے۔[۲۲]

اس حدیث کا بھی یہی مطلب ہے کہ غریبوں کو دینا اللہ تعالیٰ کو دینا ہے کیونکہ ان کا رزق اللہ تعالیٰ کی ذمہ داریوں میں سے ہے پھر فرماتا ہے۔ وَلِلرَّسُوْلِ ان اموال میں ہمارے رسول کا بھی حصہ ہے اور رسول کے حصہ سے مراد بھی غرباء میں اموال تقسیم کرنا ہے کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے ثابت ہے کہ آپ اس قسم کے اموال اپنے پاس نہیں رکھا کرتے تھے بلکہ غرباء میں تقسیم کر دیا کرتے تھے اور حقیقت یہ ہے کہ جو ذمہ داریاں خدا تعالیٰ کی ہیں وہی ظلّی طور پر رسول کی ہیں اس لئے ان ذمہ داریوں کی ادائیگی پر جو رقم خرچ ہوگی وہ رسول کو دینا ہی قرار دی جائیگی۔ پھر فرماتا ہے وَلِذِی الْقُرْبٰی۔ ذِی الْقُرْبٰی کا بھی اس میں حق ہے شیعہ لوگ اسکے عام طور پر یہ معنے کرتے ہیں کہ اموالِ فئے میں رسول کریم

صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ داروں کا بھی حق ہے حالانکہ اس قسم کے اموال میں ان کا کبھی بھی حصہ نہیں سمجھا گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ ذِی الْقُرْبٰی سے مراد وہی لوگ ہیں جن کا وَالرُّکَّعِ السُّجُوْدِ کہہ کر ایک آیت میں ذکر کیا گیا ہے یعنی قُربِ الٰہی حاصل کرنے والے لوگ اور وہ درویش جو اپنی زندگیاں خدمتِ دین کے لئے وقف کر دیتے ہیں اور ان کے گزارہ کی کوئی معیّن صورت نہیں ہوتی۔ گو اسی جماعت میں شامل ہو کر اہلِ بیت ان اموال کے اوّل حقدار قرار دیئے جا سکتے ہیں۔ پھر فرماتا ہے وَالْیَتٰمٰی ان اموال میں یتامیٰ کا بھی حق ہے اور یتامیٰ بھی غریب ہی ہوتے ہیں وَالْمَسَاکِیْنِ اسی طرح مسکینوں کا حق ہے وَابْنِ السَّبِیْلِ اور مسافروں کا بھی حق ہے اور مسافر بعض حالات میں عارضی طور پر ناداروں کی طرح ہو جاتا ہے۔ آگے فرماتا ہے ہم نے یہ تقسیم اس لئے کی ہے کَیْ لَا یَکُوْنَ دُوْلَةً بَیْنَ الْاَغْنِیَآءِ مِنْکُمْ تاکہ مال امیروں کے ہاتھوں میں ہی چکر نہ لگاتا رہے بلکہ غریبوں کے پاس بھی جائے اور وہ بھی اس سے فائدہ اُٹھائیں پس ہم حُکم دیتے ہیں کہ یہ اموال غرباء میں تقسیم کئے جائیں تاکہ امراء کے ہاتھوں میں مال چکر نہ کاٹتا رہے۔

ایک زمیندار دوست کا واقعہ

زمیندار بعض دفعہ بات کرتے ہیں تو بڑے پتہ کی کرتے ہیں۔ ایک زمیندار دوست نے سنایا کہ میں ایک دفعہ گورنر صاحب سے مِلا اور میں نے اُن سے کہا کہ حضور ایک بات سمجھ میں نہیں آتی اور وہ یہ کہ سرکار بعض دفعہ رعایا پر خوش ہوتی ہے اور سرکار ڈپٹی کمشنر کو لکھتی ہے کہ ڈیڑھ دوسَو مربع غرباء میں تقسیم کر دیا جائے۔ آپ کے ڈپٹی کمشنر غرباء کو تلاش کرتے ہیں تو انہیں کوئی غریب دکھائی ہی نہیں دیتا، جس گاؤں کو دیکھتے ہیں اُنہیں امیر ہی امیر نظر آتے ہیں۔ آخر بڑی مشکل سے وہ فیصلہ کرتے ہیں کہ فلاں ملک صاحب کو اتنے مربعے دیدیئے جائیں اور فلاں چوہدری صاحب کو اتنے مربعے دیئے جائیں کیونکہ بھوکے مر رہے ہیں۔ ملک صاحب کے پاس تو صرف تیس ہزار ایکڑ زمین ہے اور چوہدری صاحب کے پاس بیس ہزار ایکڑ، اسی طرح کسی کے پاس ۱۵ ہزار ایکڑ زمین ہے اور کسی کے پاس دس ہزار، اگر ان کو مربعے نہ دیئے گئے تو بیچارے بھوکے مر جائیں گے، چنانچہ سب زمینیں ان میں تقسیم کر دی جاتی ہیں۔ اس کے کچھ عرصہ بعد جب اعلیٰ سرکاری خدمات سرانجام دینے کے بدلے گورنمنٹ کچھ انعامات تقسیم کرنا چاہتی ہے وہ کہتی ہے کہ اب یہ انعامات اعلیٰ خاندانوں میں تقسیم کئے جائیں، اس پر پھر ڈپٹی کمشنر صاحب

جب اعلیٰ خاندانوں کی تلاش میں نکلتے ہیں تو وہی لوگ جو پہلی دفعہ انہیں غریب دکھائی دیئے تھے اب انہیں امیر نظر آنے لگ جاتے ہیں اور انہی میں پھر انعامات تقسیم کر دیئے جاتے ہیں۔ سرکار یہ دیکھ کر ہمیں تو کچھ پتہ نہیں لگتا کہ ہم بڑے ہیں کہ چھوٹے ہیں۔

پس آجکل اموال کی تقسیم کا طریق یہ ہے کہ بڑے بڑے امراء اور متموّل لوگوں کو چُن کر اُن میں تمام اموال تقسیم کر دیئے جاتے ہیں، مگر اسلام یہ نہیں کہتا بلکہ وہ یہ کہتا ہے کہ تم غرباء میں اموال تقسیم کرو۔ كَیۡ لَا یَكُوۡنَ دُوۡلَةًۢ بَیۡنَ الۡاَغۡنِیَآءِ مِنۡكُمۡ تا کہ مالداروں کے ہاتھوں میں ہی روپیہ جمع نہ رہے بلکہ غرباء کے ہاتھوں میں بھی آتا رہے۔ اسی لئے اسلام نے کہیں وراثت کا مسئلہ رکھ کر، کہیں زکوٰۃ کی تعلیم دے کر اور کہیں سُود سے روک کر امراء کی دولت کو توڑ کر رکھ دیا ہے اور اس طرح امراء اور غرباء میں مساوات قائم کرنے کا راستہ کھول دیا ہے۔

قیامِ مساوات کے لئے دنیا کے تمام مذاہب کے متعلق ایک پُرحکمت اصول

پھر ایک مساوات یہ ہوتی ہے کہ مختلف مذاہب کے درمیان انصاف قائم کیا جائے، اسلام اس مساوات کا بھی حکم دیتا ہے، چنانچہ فرماتا ہے۔ وَلَوۡلَا دَفۡعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعۡضَهُمۡ بِبَعۡضٍ لَّهُدِّمَتۡ صَوَامِعُ وَ بِیَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّ مَسٰجِدُ یُذۡكَرُ فِیۡهَا اسۡمُ اللّٰهِ كَثِیۡرًا [۲۳]

کہ اگر دنیا میں ہم مسلمانوں کو کھڑا نہ کرتے اور اس طرح اسلام کے ذریعہ تمام اقوام کے حقوق کی حفاظت نہ کی جاتی تو یہودیوں کی عبادت گاہیں، عیسائیوں کے گرجے، ہندوؤں کے مندر اور مسلمانوں کی مسجدیں امن کا ذریعہ نہ ہوتیں بلکہ فتنہ وفساد اور لڑائی جھگڑوں کی آماجگاہ ہوتیں۔ یہ امر ظاہر ہے کہ مسلمانوں کا مذہب ایسا ہے جس نے اپنی مساجد میں ہر قوم کو عبادت کا حق دیا ہے اور وہ یہی چاہتا ہے کہ ہر قوم کو عبادت کا مساوی حق حاصل ہو۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس آزادی سے عیسائیوں کو اپنی مسجد میں عبادت کرنے کی اجازت دی اس کی مثال کوئی اور قوم پیش نہیں کر سکتی۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ بیان فرمایا ہے کہ اگر ہم مسلمانوں کو اس کام کے لئے کھڑا نہ کرتے اور مسلمان اپنا خون بہا کر اس حق کو قائم نہ کرتے تو دنیا میں ہمیشہ فتنہ وفساد رہتا اور کبھی بھی صحیح معنوں میں امن قائم نہ ہو سکتا۔

مساجد کی دوسری غرض کا صحابہ کرام کے ذریعہ ظہور

(۲) مسجد کی دوسری غرض ایک مقامِ مبارک کا قیام ہے

اور وہ دوطرح ہوتا ہے (الف) اس طرح کہ وہ ذکرِ الٰہی کے لئے مخصوص ہوتی ہے۔ اس جماعت کے حق میں بھی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ ذکرِ الٰہی کے لئے مخصوص ہے چنانچہ فرماتا ہے۔ فِیۡ بُیُوۡتٍ اَذِنَ اللّٰہُ اَنۡ تُرۡفَعَ وَ یُذۡکَرَفِیۡھَا اسۡمُہٗ یُسَبِّحُ لَہٗ فِیۡھَا بِالۡغُدُوِّ وَالۡاٰصَالِ۔رِجَالٌ لَّاتُلۡھِیۡھِمۡ تِجَارَۃٌ وَّ لَا بَیۡعٌ عَنۡ ذِکۡرِ اللّٰہِ وَ اِقَامِ الصَّلٰوۃِ وَ اِیۡتَآءِ الزَّکٰوۃِ یَخَافُوۡنَ یَوۡمًا تَتَقَلَّبُ فِیۡہِ الۡقُلُوۡبُ وَ الۡاَبۡصَارُ [۲۴]

یعنی خدا کی رحمتیں اور برکتیں اُن گھروں پر نازل ہونگی اَذِنَ اللّٰہُ اَنۡ تُرۡفَعَ جن کے متعلق خدا نے یہ حُکم دے دیا ہے کہ انہیں اونچا کیا جائے وَ یُذۡکَرَفِیۡھَا اسۡمُہٗ اور اُن میں خدا کا نام لیا جائے گویا وہ ذکرِ الٰہی کے لحاظ سے بالکل مسجدوں کی طرح ہو جائیں گے اور اس کا موجب ان گھروں میں رہنے والے ہونگے یُسَبِّحُ لَہٗ فِیۡھَا بِالۡغُدُوِّ وَالۡاٰصَالِ۔ رِجَالٌ لَّاتُلۡھِیۡھِمۡ تِجَارَۃٌ وَّ لَا بَیۡعٌ عَنۡ ذِکۡرِ اللّٰہِ صبح شام ان میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح ایسے لوگ کرتے رہتے ہیں جن کو ہر قسم کی تجارت ملکی ہو یا درآمد برآمد سے تعلق رکھنے والی ہو اسی طرح زمیندارہ، صنعت وحرفت کے کارخانے ذکرِ الٰہی سے غافل نہیں کرتے (اس آیت میں دو لفظ ہیں تجارت اور بیع اور کوئی تجارت بغیر بیع کے نہیں ہوسکتی۔ پس مراد یہ ہے کہ بعض کاموں میں دونوں جہت یعنی خرید وفروخت سے انسان نفع کماتا ہے وہ تجارت ہے اور بعض کام ایسے ہوتے ہیں کہ کام کرنے والا خریدتا نہیں صرف فروخت کرتا ہے جیسے زمیندار یا صنّاع ہے کہ جو چیز وہ فروخت کرتا ہے وہ اس کی پیداوار ہے پس اس کا کام درحقیقت فروخت کا ہے خرید کا نہیں اسے تجارت سے الگ بیان کر کے تجارتی کاروبار کی سب قسمیں بیان کر دی ہیں) گویا کوئی بات بھی انہیں نہ تو نمازوں کی ادائیگی سے غافل کرتی ہے اور نہ زکوٰۃ کی ادائیگی سے ان کی توجہ پھراتی ہے۔ یَخَافُوۡنَ یَوۡمًا تَتَقَلَّبُ فِیۡہِ الۡقُلُوۡبُ وَالۡاَبۡصَارُ وہ فقط اس دن سے ڈرتے ہیں جس دن اُن کے دل اور اُن کی آنکھیں پھری ہوئی ہونگی اور وہ گھبرائے ہوئے اِدھر اُدھر دَوڑ رہے ہونگے۔

غرض اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو شخص اس جماعت میں شامل ہوتا ہے وہ ذکرِ الٰہی کے لئے مخصوص ہو جاتا ہے اور یہی مسجد کا خاص کام ہے پس وہ ایک چلتی پھِرتی مسجد بن جاتا ہے۔

عبادت اور ذکرِ الٰہی میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی خواہش

صحابہؓ ذکرِ الٰہی میں ترقی کرنے کی اتنی کوشش کیا کرتے تھے کہ ان کی یہ جدوجہد وارفتگی کی حد تک پہنچی ہوئی تھی، احادیث میں آتا ہے کہ ایک دفعہ غرباء رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے عرض کیا کہ جس طرح ہم نمازیں پڑھتے ہیں، اسی طرح امراء نمازیں پڑھتے ہیں، جس طرح ہم روزے رکھتے ہیں اسی طرح امراء روزے رکھتے ہیں جس طرح ہم حج کرتے ہیں اسی طرح امراء حج کرتے ہیں مگر یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! ہم زکوٰۃ اور صدقہ وخیرات اور چندے وغیرہ نہیں دے سکتے اس وجہ سے وہ نیکی کے میدان میں ہم سے آگے بڑھے ہوئے ہیں۔ کوئی ایسی ترکیب بتائیں کہ امراء ہم سے آگے نہ بڑھ سکیں، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہت اچھا، میں تمہیں ایک ایسی ترکیب بتاتا ہوں کہ اگر تم اس پر عمل کرو تو تم پانچ سَو سال پہلے جنت میں داخل ہو سکتے ہو، انہوں نے عرض کیا کہ وہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا وہ ترکیب یہ ہے کہ ہر فرض نماز کے بعد تینتیس دفعہ سُبْحَانَ اللّٰہِ تینتیس دفعہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اور چونتیس دفعہ اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہہ لیا کرو، وہ وہاں سے بڑی خوشی سے اُٹھے اور انہوں نے سمجھا کہ ہم نے میدان مار لیا مگر کچھ دنوں کے بعد پھر وہی وفد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہؤا اور عرض کیا کہ ہم پر بڑا ظلم ہؤا ہے۔ آپ نے فرمایا کس طرح؟ انہوں نے عرض کیا کہ آپ نے ہمیں جو بات اُس روز بتائی تھی وہ کسی طرح امیروں کو بھی پہنچ گئی اور اب انہوں نے بھی یہ ذکر شروع کر دیا ہے ہم اب کیا کریں؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر نیکی حاصل کرنے کا اُن کے دلوں میں اس قدر جوش پایا جاتا ہے تو مَیں انہیں روک کس طرح سکتا ہوں؟ [۲۵] یہ وہ فضیلت تھی جس نے صحابہؓ کو جیتی جاگتی مسجد بنا دیا تھا۔

صحابہؓ کی پاکیزگی اور طہارت پر الٰہی شہادت

(ب) دوسری صورت مقامِ مبارک کی یہ ہے کہ وہ پاکیزگی کا مقام ہوتا ہے اسی طرح انبیاء کی جماعت کو پاک رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے، چنانچہ اسکے متعلق قرآن کریم میں شہادت موجود ہے کہ صحابہؓ پاک کئے گئے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ وَ یُزَکِّیْھِمْ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَ الْحِکْمَۃَ [۲۶]

کہ یہ رسول صحابہؓ کے سامنے ہمارے نشانات بیان کرتا ہے وَ یُزَکِّیْھِمْ اور ان کو پاک کرتا ہے

وَ یُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَ الْحِکْمَۃَ اور ان کو کتاب اور حکمت سکھاتا ہے گویا خدا خود صحابہؓ کی پاکیزگی کی شہادت دیتا ہے۔ دوسری جگہ ان کی پاکیزگی کی شہادت ان الفاظ میں دی گئی ہے کہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَ رَضُوْا عَنْہُ[۲۷] اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہو گئے۔ تیسری جگہ یہ شہادت اس طرح دی گئی ہے کہ فَمِنْھُمْ مَّنْ قَضٰی نَحْبَہٗ وَ مِنْھُمْ مَّنْ یَّنْتَظِرُ[۲۸] یعنی یہ خدا کے اتنے نیک بندے ہیں کہ ان میں سے بعض تو اُس عہد کو جو انہوں نے خدا سے کیا تھا پورا کر چکے ہیں اور بعض گو دل سے پورا کر چکے ہیں مگر ابھی عملی رنگ میں انہیں عہد کو پورا کر کے دکھانے کا موقع نہیں ملا اور وہ اُس وقت کا انتظار کر رہے ہیں جبکہ انہیں بھی خدا کی طرف سے یہ موقع عطا ہو، حدیثوں میں صحابہؓ کی اس قربانی کے متعلق ایک مثال بھی بیان ہوئی ہے جس سے معلوم ہوسکتا ہے کہ انہوں نے اپنے عہد کو کس طرح پورا کیا۔

ایک صحابیؓ کی عظیم الشان قربانی

جب جنگِ بدر کا موقع آیا تو صحابہؓ کو یہ احساس نہیں تھا کہ کوئی لڑائی ہونے والی ہے بلکہ خیال یہ تھا کہ ایک قافلہ کی شرارتوں کے سدّ باب کے لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نکلے ہیں، اسی لئے کئی صحابہ مدینہ میں بیٹھے رہے تھے اور ساتھ نہیں گئے مگر جب اسی لشکر کے باہر نکلنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ کفار کے لشکر سے بغیر امید کے جنگ ہوگئی اور کئی صحابہ نے قربانی کا بے مثال نمونہ دکھایا تو جو لوگ اس جنگ میں شامل نہیں ہوئے تھے ان کے دلوں میں رشک پیدا ہوا۔ ایسے ہی لوگوں میں سے ایک حضرت انس کے چچا تھے، جب کسی مجلس میں جنگ بدر کے کارناموں کا ذکر ہوتا اور شامل ہونے والے صحابہ کہتے کہ ہم نے یہ کِیا ہم نے وہ کِیا تو پہلے تو وہ خاموشی سے سُنتے رہتے مگر آخر وہ بول ہی پڑتے اور کہتے، تم نے کیا کِیا۔ اگر میں ہوتا تو تم کو بتاتا کہ کس طرح لڑا کرتے ہیں۔ صحابہؓ اِس بات کو سنتے اور ہنس پڑتے مگر آخر خدا تعالیٰ نے اُن کی دعائیں سن لیں اور اُحد کا دن آ گیا۔ اس جنگ میں مسلمانوں کی غفلت سے ایک وقت ایسا آیا کہ اسلامی لشکر تتّر بتّر ہو گیا اور پھر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گِرد صرف گیارہ صحابی رہ گئے۔ مسلمانوں کے مقابلہ میں کفار تین ہزار تھے۔ جب دشمن نے دیکھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گِرد صرف چند آدمی رہ گئے ہیں تو اُس نے یکدم حملہ کر دیا اور کفار کے لشکر کا ایسا ریلا آیا کہ اُن گیارہ آدمیوں کے بھی پاؤں اُکھڑ گئے۔ حملہ چونکہ سخت تھا، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو زخم آئے اور آپؐ کے خَود کا ایک کیل آپؐ کے سر میں گھُس گیا اور دندانِ مبارک بھی ٹوٹ کر

گر گئے اور ان زخموں کی تاب نہ لا کر آپؐ بیہوش ہو کر گڑھے میں گر گئے۔[۲۹] اس کے بعد آپ کے جسمِ اطہر پر بعض اور صحابہ شہید ہو کر گر گئے اور اس طرح آپؐ کا جسم لوگوں کی نگاہ سے چُھپ گیا۔ مسلمانوں نے آپ کو اِدھر اُدھر تلاش کیا مگر چونکہ آپ نظر نہ آئے اس لئے یہ افواہ پھیل گئی کہ رسول کریم شہید ہو گئے ہیں بعد میں جب صحابہ کی لاشیں نکالی گئیں تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بھی نظر آ گئے آپؐ اُس وقت صرف بیہوش تھے مگر بہرحال اِس افواہ کی وجہ سے تھوڑی دیر کے لئے مسلمانوں کے حواس جاتے رہے۔ بعد میں جب انہیں معلوم ہوا کہ آپ زندہ ہیں تو اُن کی تکلیف جاتی رہی اور وہ بہت خوش ہو گئے۔ اِس جنگ میں چونکہ ابتداء میں مسلمانوں نے فتح حاصل کر لی تھی اس لئے بعض مسلمان اطمینان سے اِدھر اُدھر چلے گئے اُنہی میں حضرت انسؓ کے چچا بھی تھے۔ وہ ایک طرف آرام سے کھجوریں کھاتے پھرتے تھے کہ اتنے میں انہوں نے دیکھا کہ حضرت عمرؓ ایک پتھر پر بیٹھے ہوئے رو رہے ہیں۔ وہ حضرت عمرؓ کے پاس گئے اور کہا کہ عمر! کیا یہ رونے کا وقت ہے یا خوشی منانے کا وقت ہے؟ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو فتح دی ہے اور تم رو رہے ہو۔ انہوں نے کہا تمہیں پتہ نہیں بعد میں کیا ہوا؟ وہ کہنے لگے مجھے تو کچھ پتہ نہیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا فتح کے بعد دشمن نے پھر حملہ کر دیا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم شہید ہو گئے ہیں۔ وہ انصاری کھجوریں کھا رہے تھے اور اُس وقت اُن کے ہاتھ میں آخری کھجور تھی، انہوں نے اُس کھجور کی طرف دیکھا اور کہا میرے اور جنت کے درمیان اِس کھجور کے سِوا اور ہے ہی کیا۔ یہ کہتے ہوئے انہوں نے اُس کھجور کو پھینک دیا اور پھر حضرت عمرؓ سے مخاطب ہو کر کہنے لگے واہ عمر، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے اور تم رو رہے ہو، ارے بھائی جہاں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم گئے ہیں وہی جگہ ہماری بھی ہے۔ یہ کہا اور تلوار لے کر دشمن پر ٹُوٹ پڑے ایک ہاتھ کٹ گیا تو انہوں نے تلوار کو دوسرے ہاتھ میں پکڑ لیا اور دوسرا ہاتھ کٹ گیا تو لاتوں سے انہوں نے دشمن کو مارنا شروع کر دیا اور جب لاتیں بھی کٹ گئیں تو دانتوں سے کاٹنا شروع کر دیا، غرض آخری سانس تک وہ دشمن سے لڑائی کرتے رہے۔ بعد میں جب ان کی تلاش کی گئی تو معلوم ہوا کہ دشمن نے ان کے جسم کے ستّر ٹکڑے کر دیئے تھے اور وہ پہچانے تک نہیں جاتے تھے، حدیثوں میں آتا ہے کہ یہ صحابی انہی لوگوں میں سے تھے جن کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ یہ وہ برکت والے گھر تھے جس کی وجہ سے خدا نے ان کے متعلق یہ فرمایا کہ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ۔

رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ کے یہی معنے ہیں کہ انہوں نے خدا کی رضا حاصل کر لی۔

صحابہ کرام کی ظاہری برکات کے بعض ایمان افزاء واقعات

پھر ان کی ظاہری برکات کے بھی کئی نمونے موجود ہیں ایک دفعہ صحابہؓ کسی جگہ گئے تو وہاں کے رہنے والوں میں سے ایک کو سانپ نے کاٹ لیا، پُرانے دستور کے مطابق وہ دم کرنے اور کچھ پڑھ کر پُھونک مارنے والے کو بلایا کرتے تھے انہوں نے صحابہؓ سے دریافت کیا کہ کیا تم میں کوئی ایسا شخص ہے؟ ایک صحابی نے کہا مَیں ہوں۔ وہ اُسے ساتھ لے گئے اور انہوں نے سورۃ فاتحہ پڑھ کر دَم کر دیا اور وہ شخص بِالکل اچھا ہو گیا۔ اس خوشی میں گھر والوں نے انہیں کچھ بکریاں تحفہ کے طور پر دیں جو انہوں نے لے لیں، باقی صحابہؓ نے اس پر کچھ اعتراض کیا اور جب مدینہ آئے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اس کا ذکر کیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس صحابی کے دل کو خوش کرنے کے لئے فرمایا کہ اس تحفہ میں سے میرا حصہ بھی تو لاؤ یعنی یہ تحفہ تو اللہ تعالیٰ کے احسانوں میں سے تھا۔ مطلب یہ کہ اِس قسم کے جنتر منتر تو اسلام میں نہیں، لیکن ان لوگوں کو ایمان دینے کے بعد اللہ تعالیٰ نے سورۃ فاتحہ کو برکت بخشی اور ایک نشان دکھایا۔ پس جو تحفہ ملا وہ بابرکت شَے ہے اس برکت میں سے مجھے بھی حصہ دو۔ تو دیکھو صحابہؓ کو خدا تعالیٰ کی طرف سے کیسی برکت ملی کہ انہوں نے سورۃ فاتحہ پڑھ کر پُھونک ماری اور مارگزیدہ اچھا ہو گیا۔ بعض لوگ اِس کی نقل میں آجکل بھی سورۃ فاتحہ پڑھ کر دَم کرنے کے عادی ہیں مگر ان کے دم میں کوئی اثر نہیں ہوتا، بلکہ اگر کوئی غیر مومن سَو دفعہ بھی سورۃ فاتحہ پڑھ کر پھونک مارے تو کوئی اثر نہیں ہوگا۔ سورۃ فاتحہ اُس شخص کی زبان سے نکلی ہوئی بابرکت ہو سکتی ہے جس کے اندر خود برکت ہو۔

پھر ایک اور واقعہ اسی قسم کا مولانا روم نے لکھا ہے وہ لکھتے ہیں کہ رومیوں کو جب شکست ہوئی تو کچھ عرصہ کے بعد قیصرِ روم کو سر درد کا دورہ شروع ہو گیا۔ ڈاکٹروں نے بہت علاج کیا مگر اسے کوئی فائدہ نہ ہوا۔ آخر اسے کسی نے کہا کہ تم مسلمانوں کے خلیفہ کو لکھو وہ اپنی کوئی برکت والی چیز تمہیں بھیج دیں جس سے ممکن ہے تمہیں آرام آجائے۔ قیصر نے حضرت عمرؓ کے پاس اپنا ایلچی بھیجا کہ مجھے اپنی کوئی برکت والی چیز بھیجیں میرے سر درد کو آرام نہیں آتا، ممکن ہے اس سے آرام آجائے۔ عرب کے لوگ اپنے بالوں میں خوب تیل لگانے کے عادی تھے، حضرت عمرؓ نے اپنی ایک پُرانی ٹوپی جسے تیل لگا ہوا تھا اور جس پر بالشت بالشت بھر میل جمی ہوئی تھی اُس کے ہاتھ بھیج دی اور

پیغام دیا کہ اسے اپنے سر پر رکھا کرو۔ قیصر جو سر پر تاج رکھنے کا عادی تھا اُس نے جو گاڑھے کی میلی کچیلی ٹوپی دیکھی تو وہ سخت گھبرایا مگر ایک روز جب اُسے درد کا شدید دورہ ہؤا تو اُس نے مجبوراً ٹوپی اپنے سر پر رکھ لی اور خدا تعالیٰ کی قدرت نے یہ نشان دکھایا، اِدھر اُس نے اپنے سر پر ٹوپی رکھی اور اُدھر اُسے آرام آ گیا۔ پھر تو اُس کا دستور ہی یہی ہو گیا کہ جب وہ دربار میں بیٹھتا تو حضرت عمرؓ کی میلی کچیلی اور پھٹی پُرانی ٹوپی اپنے سر پر رکھ لیتا۔ تو اللہ تعالیٰ جن لوگوں کو برکتیں دیتا ہے اُن کی چیزوں میں بھی برکت پیدا ہو جاتی ہے۔ ایک دفعہ ایک دوست نے مجھ سے ذکر کیا کہ ان کی ریڑھ کی ہڈی میں سِل کا مادہ پیدا ہو گیا تھا۔ ایکسرے کرایا تو بھی یہی نتیجہ نکلا، آخر وہ کہتے ہیں میں قادیان آ گیا کہ اگر مرنا ہے تو قادیان چل کر مَروں اور میں نے تمام علاج چھوڑ کر آپ سے دعا کرائی۔ نتیجہ یہ ہؤا کہ کچھ عرصہ کے بعد مجھے آرام آنا شروع ہو گیا اور آخر بالکل صحت ہو گئی۔ میں پھر لاہور گیا اور ایکسرے کرایا تو انہیں ڈاکٹروں نے جنھوں نے پہلے میرا ایکسرے کیا تھا، ایک بار ایکسرے کیا پھر دوسری بار ایکسرے کیا اور جب کہیں بھی انہیں سِل کا مادہ نظر نہ آیا تو وہ کہنے لگے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہڈی ہی بدل گئی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اپنے جن بندوں کو برکت دیتا ہے اُن کی باتوں میں، اُن کے کپڑوں میں، اُن کی دعاؤں میں اور اُن کی تمام چیزوں میں برکت رکھ دیتا ہے۔ غرض جس طرح مسجد ایک برکت والی چیز ہے اسی طرح صحابہ کا گروہ برکت والا تھا اور دنیا نے اس گروہ کی جسمانی اور روحانی برکات کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا۔

صحابہ کرام تمام دنیا کے لئے ہدایت کا موجب تھے

مسجد کی تیسری غرض یہ ہوتی ہے کہ وہ ھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ ہوتی ہے یہ بات بھی صحابہؓ میں پائی جاتی تھی چنانچہ اللہ تعالیٰ سورۂ اعراف میں فرماتا ہے۔

وَ مِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ یَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَ بِهٖ یَعْدِلُوْنَ [۳۰]

اِس رکوع میں پہلے تو اللہ تعالیٰ نے یہود کی بُرائیاں بیان فرمائی ہیں اور بتایا ہے کہ وہ کیسے نالائق ہیں اس کے بعد فرماتا ہے کہ سارے ہی ایسے نالائق نہیں بلکہ اِس رسول کے ذریعہ ہم نے جن لوگوں کو کھڑا کیا تھا وہ ایسے ہیں جو سچائی کو دنیا میں پھیلاتے ہیں اور انصاف سے کام لیتے ہیں۔ پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی صحابہؓ کی ہدایت کی شہادت دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔ اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ فَبِاَیِّهِمُ اقْتَدَیْتُمْ اِهْتَدَیْتُمْ [۳۱] کہ میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں جس طرح تم کسی ستارے کو نشان قرار دیکر چل پڑو تو منزلِ مقصود پر پہنچ سکتے ہو،

اسی طرح تم میرے کسی صحابی کے پیچھے چل پڑو وہ تمہیں خدا کے دروازہ پر پہنچا دیگا۔ چنانچہ سب صحابہ ھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ کا ایک عملی نمونہ تھے اور وہ دوسروں کو نیکی کی تعلیم دینے میں سب سے آگے رہتے تھے۔ مکی زندگی کا یہی ایک واقعہ صحابہؓ کے اس طریقِ عمل پر روشنی ڈالنے کے لئے کافی ہے۔ ایک صحابی جن کا نام عثمان بن مظعونؓ تھا تیرہ چودہ سال کی عمر میں مسلمان ہوئے، اُن کا باپ عرب میں بہت وجاہت رکھتا تھا۔ جب یہ مسلمان ہو گئے تو مکہ کے ایک بہت بڑے رئیس نے جو اُن کے باپ کا دوست تھا انہیں اپنے پاس بُلایا اور کہا آجکل مسلمانوں کی سخت مخالفت ہے، میں تمہیں اپنی پناہ میں لے لیتا ہوں تمہیں کوئی شخص تکلیف نہیں پہنچا سکے گا۔ انہوں نے اُس کی بات مان لی اور اُس رئیس نے خانہ کعبہ میں جا کر اعلان کر دیا کہ عثمانؓ میرے بھائی کا بیٹا ہے اسے کوئی شخص دُکھ نہ دے۔ عربوں میں یہ طریق تھا کہ جب ان میں سے کوئی رئیس کسی کو اپنی پناہ میں لینے کا اعلان کر دے تو پھر اسے کوئی تکلیف نہیں دیتا تھا اگر ایسا کرتا تو اُسی رئیس اور اُس کے قبیلہ سے لڑائی شروع ہو جاتی تھی۔ ایک دن حضرت عثمانؓ کسی جگہ سے گزر رہے تھے کہ انہوں نے دیکھا ایک مسلمان غلام کو کفار بڑی بیدردی سے مار پیٹ رہے ہیں۔ ان کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ یہ بہت بُری بات ہے کہ میں تو مکہ میں امن سے رہوں اور میرے بھائی تکلیف اُٹھاتے رہیں چنانچہ وہ سیدھے اُس رئیس کے پاس پہنچے اور اُسے کہا کہ آپ نے جو مجھے اپنی پناہ میں لینے کا اعلان کیا تھا میں اس ذمہ داری سے آپ کو سبکدوش کرتا ہوں اور آپ کی پناہ میں نہیں رہنا چاہتا۔ اس نے کہا تم جانتے نہیں کہ مکہ مسلمانوں کے لئے کیسی خطرناک جگہ ہے اگر میں نے اپنی پناہ واپس لے لی تو لوگ فوراً تم کو ایذاء دینے لگ جائیں گے۔ انہوں نے کہا مجھے اس کی پروا نہیں، مجھ سے یہ دیکھا نہیں جاتا کہ میں تو آرام سے رہوں اور میرے بھائی تکلیفیں اُٹھاتے رہیں۔ چنانچہ ان کے اصرار پر اُس نے خانۂ کعبہ میں جا کر اعلان کر دیا کہ عثمان بن مظعونؓ اب میری پناہ میں نہیں رہا۔ اِس اعلان پر ابھی چند دن ہی گزرے تھے کہ عرب کا ایک مشہور شاعر جس کا قصیدہ سبعہ معلقہ میں شامل ہے مکہ میں آ گیا۔ اہلِ عرب کا دستور تھا کہ جب کوئی مشہور شاعر آتا تو بہت بڑی مجلس منعقد کی جاتی اور اُس کے کلام سے لوگ محظوظ ہوتے۔ اس کے آنے پر بھی ایک بہت بڑی مجلس منعقد کی گئی اور تمام مکہ والے اِس میں شامل ہوئے۔ حضرت عثمان بن مظعون بھی اس کا کلام سُننے کے لئے وہاں جا پہنچے اُس نے شعر پڑھتے پڑھتے ایک مصرع یہ پڑھا کہ:-

ع اَلَا کُلُّ شَیْءٍ مَا خَلَا اللّٰہَ بَاطِلٌ [۳۲]

سنو سنو! خدا کے سِوا دنیا کی ہر چیز فنا ہونے والی ہے

حضرت عثمانؓ اِس مصرعہ پر بہت ہی خوش ہوئے اور انہوں نے بڑے جوش سے کہا ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔ شاعر نے جس کا نام لبید تھا شور مچا دیا کہ اے مکہ کے لوگو! کیا تم میں اب کسی شریف آدمی کی قدر نہیں رہی، میں عرب کا باپ ہوں اور یہ کل کا چھوکرا مجھے داد دے رہا ہے اور کہتا ہے ٹھیک کہا، ٹھیک کہا۔ یہ میری عزت نہیں بلکہ ہتک ہے اور میں اسے کبھی برداشت نہیں کر سکتا۔ لبید کے اِس اعتراض پر لوگوں میں ایک جوش پیدا ہو گیا اور وہ عثمانؓ کو مارنے کیلئے اُٹھے لیکن بعض نے کہا نادان بچہ ہے ایک دفعہ تو اس نے ایسی حرکت کر دی ہے اب آئندہ نہیں کریگا۔ چنانچہ لوگ خاموش ہو گئے۔ اس کے بعد لبید نے اسی شعر کا دوسرا مصرعہ پڑھا

ع وَکُلُّ نَعِیْمٍ لَا مَحَالَۃَ زَائِلٌ [۳۳]

ہر نعمت آخر زائل اور تباہ ہو جائے گی۔ اِس پر حضرت عثمان بن مظعونؓ پھر بول اُٹھے کہ بالکل غلط ہے، جنت کی نعمتیں کبھی زائل نہیں ہونگی۔ اب تم خود ہی اندازہ لگا سکتے ہو کہ جو شخص ان کی تعریف سے ناراض ہؤا تھا وہ ان کی تردید پر کس قدر جوش سے بھر گیا ہوگا۔ چنانچہ جب انہوں نے سرِ مجلس کہہ دیا کہ یہ بات غلط ہے تو اُس نے نظم پڑھنی چھوڑ دی اور کہا کہ میری ہتک کی گئی ہے۔ اِس پر بعض نوجوان غصہ سے اُٹھے اور انہوں نے مارنا شروع کر دیا، ایک نے اِس زور سے آپ کی آنکھ پر گھونسہ مارا کہ انگوٹھا اندر دھنس گیا اور آنکھ کا ڈیلا پھٹ گیا۔ وہ رئیس جس نے انہیں اپنی پناہ میں رکھا تھا اُس وقت وہیں موجود تھا اور چونکہ اِن کا باپ اُس کا دوست تھا اس لئے عثمانؓ کی تکلیف کو دیکھ کر اُس کے دل میں محبت کا جوش پیدا ہؤا۔ لیکن سارے مکہ کے جوش کے مقابل پر اپنے آپ کو بے بس دیکھ کر کمزوروں کی طرح عثمان بن مظعونؓ پر ہی غصہ نکال کر اپنے دل کو ٹھنڈا کرنا چاہا، چنانچہ غصہ سے انہیں مخاطب کر کے کہا کہ کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ تم میری پناہ میں رہو، آخر تمہاری ایک آنکھ لوگوں نے نکال دی۔ حضرت عثمان بن مظعون نے اپنی آنکھ کا خون پونچھتے ہوئے فرمایا، مجھے اس کی کوئی پروا نہیں کہ سچ کے بدلے میری ایک آنکھ نکل گئی ہے میری تو دوسری آنکھ بھی اِسی قسم کے سلوک کا انتظار کر رہی ہے۔[۳۴] اب دیکھو صحابہ کس طرح هُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ ثابت ہوئے وہ یہ برداشت ہی نہیں کر سکتے تھے کہ حق کے خلاف کوئی بات سُنیں اور اُس کی تردید نہ کریں۔

ایک صحابی سے ایک دفعہ کسی نے کہا کہ آجکل بنو امیہ کی حکومت ہے تم کوئی بات نہ کرو،

اگر وہ اس حکومت کے ارکان تک پہنچ گئی تو تمہیں نقصان ہوگا۔ وہ فرمانے لگے مجھے اس کی پروا نہیں، میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے سُنا ہؤا ہے کہ اگر کسی کو کوئی سچی بات معلوم ہو اور اُس کی گردن پر تلوار رکھی ہوئی ہو تو اُسے چاہئے کہ تلوار چلنے سے پہلے جلدی سے حق بات اپنے منہ سے نکال دے۔ تو ہدایت کے پہنچانے میں صحابہ نے ایسا کمال دکھایا تھا کہ اس کی نظیر اور کہیں نظر نہیں آتی۔ مسلمانوں کا اذانیں دینا، خطبے پڑھنا سب اس کے ماتحت ہے کیونکہ ان ذرائع سے بھی حق کی بات دوسروں تک پہنچتی اور اُن کو ہدایت اور راہنمائی حاصل ہوتی ہے۔

پھر صحابہؓ دوسروں کو ہدایت دینے میں جس سرگرمی اور انہماک سے کام کیا کرتے تھے اس کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ انہوں نے اپنی ساری عمر دین سکھانے میں لگا دی۔ اور اتنی حدیثیں جمع کر دیں کہ آج اگر ان کو جمع کیا جائے تو پُشتارے[۳۵] کے پُشتارے لگ جائیں۔

آجکل تحریر کا زمانہ ہے اور روایات بڑی آسانی سے محفوظ ہو سکتی ہیں مگر مجھے افسوس ہے کہ ہماری جماعت کے صحابہ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روایات جمع کرنے میں وہ کوشش نہیں کی جو صحابۂ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث کے جمع کرنے میں کی تھی۔ کئی صحابہ ہیں جنہیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کئی واقعات معلوم ہیں مگر ابھی تک وہ ان کے سینوں میں ہی ہیں اور انہوں نے ظاہر نہیں کئے، اسی طرح کئی تابعین ہیں جنہوں نے کئی صحابہ سے روایات سُنی ہوئی ہیں، ان کا بھی فرض تھا کہ وہ ایسی تمام روایات کو ضبطِ تحریر میں لے آتے مگر مجھے افسوس ہے کہ اس کی طرف پوری توجہ نہیں کی گئی حالانکہ چاہئے تھا کہ وہ رات دن ایسی باتیں سُناتے رہتے تاکہ وہ دنیا میں محفوظ رہتیں۔ صحابۂ رسولِ اکرمؐ نے یہ کام کیا اور ایسی عمدگی سے کیا کہ آج حدیثوں کی سَو دوسَو جلدیں پائی جاتی ہیں، یہ ان کی ہدایتِ عام کی سند اور هُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ہونے کا ایک بیّن ثبوت ہے۔

انصار اور مہاجرین کی باہمی مؤاخات

(۴) مساجد کا چوتھا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ لوگوں کو جمع کرنے کے لئے بنائی جاتی ہیں، یہ کام بھی انبیاء کی جماعتیں کیا کرتی ہیں۔ جس طرح مسجد کہتی ہے کہ آجاؤ عبادت کی طرف، یہی حال انبیاء کی جماعتوں کا ہوتا ہے اور وہ سب لوگوں کے لئے اپنے دروازے کھول دیتی ہیں اور کہتی ہیں کہ ہماری طرف آجاؤ۔ چنانچہ قرآن کریم میں صحابہؓ کے ایک حصہ کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَ لَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا

وَ یُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِہِمْ وَ لَوْ کَانَ بِہِمْ خَصَاصَۃٌ ۳۶

یعنی انصار اتنے وسیع الحوصلہ ہیں کہ ان کے دلوں میں دُنیوی اموال اور نعمتوں کی کوئی خواہش ہی نہیں اُن کا یہی جی چاہتا ہے کہ دوسرے مسلمان بھائیوں کی مدد کریں خواہ خود انہیں تنگی ہو یا تکلیف، وہ دوسروں کو آرام پہنچانے کا فکر رکھتے ہیں۔ جس طرح مسجد کے دروازے ہر ایک کے لئے کُھلے ہوتے ہیں اسی طرح انصار نے اپنی جائدادیں بانٹ دیں اور مکان دیدیئے۔ جب مہاجرین ہجرت کر کے مدینہ گئے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو بلایا اور فرمایا کہ یہ لوگ باہر سے آئے ہیں، آؤ میں تم دونوں کو آپس میں بھائی بھائی بنا دوں۔ چنانچہ ایک ایک انصاری اور ایک ایک مہاجر کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھائی بھائی بنا دیا۔ ہمارے ہاں بعض لوگ بچپن سے ایک دوسرے کے دوست ہوتے ہیں مگر وہ کسی کے لئے کوئی قربانی نہیں کرتے، لیکن انصار کا یہ حال تھا کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین کو ان کا بھائی بنا دیا تو ان میں سے بعض نے اُس وقت گھر جا کر اپنی جائدادیں تقسیم کر دیں اور مہاجرین سے کہا کہ آدھی جائداد ہماری ہے اور آدھی تمہاری۔ بعض جو تاجر تھے انہوں نے مہاجرین کو اپنی تجارت میں شریک کر لیا۔ مہاجرین نے بیشک انکار کر دیا اور کہا کہ تم ہمیں اُجرت دیدینا ہم تمہاری خدمت کریں گے مگر اُنہوں نے اپنی طرف سے احسان کرنے میں کوئی کمی نہیں کی۔ بلکہ ایک صحابی نے تو اِس حد تک غلوّ کیا کہ وہ اپنے مہاجر بھائی کو اپنے گھر لے گئے اُن کی دو بیویاں تھیں اور پردہ کا حکم ابھی نازل نہیں ہؤا تھا، انہوں نے اپنی دونوں بیویاں اُن کے سامنے کر دیں اور کہا کہ ان میں سے جس کو تم پسند کرو میں اُسے طلاق دیدیتا ہوں تم اُس سے شادی کر لو۔ یہ کتنی بڑی قربانی ہے جو انصار نے کی۔ جس طرح مسجد کے دروازے ہر ایک کے لئے کُھلے ہوتے ہیں اسی طرح انہوں نے اپنے دروازے مہاجرین کے لئے کھول دیئے۔ یہ اتنی اعلیٰ درجہ کی مثال ہے کہ تاریخ میں اِس قسم کے وُسعتِ حوصلہ کی مثال اور کہیں نظر نہیں آتی۔

انتخابِ خلافت کے وقت انصار کا عدیم النظیر ایثار اور وُسعتِ حوصلہ

پھر سب سے بڑی حوصلہ کی مثال انصار نے اُس وقت قائم کی جب خلافت کے انتخاب کا وقت آیا۔ مسائلِ خلافت، نبی کے زمانہ میں ہمیشہ مخفی رہتے ہیں، اگر نبی کے زمانہ میں ہی یہ باتیں بیان کر دی جائیں تو ماننے والوں کی جانیں نکل جائیں کیونکہ اُن کو نبی سے ایسی شدید محبت ہوتی ہے

کہ وہ یہ برداشت ہی نہیں کر سکتے وہ تو زندہ رہیں اور نبی فوت ہو جائے اِس لئے نبی کے زمانہ میں خلافت کی طرف صرف اشارے کر دیئے جاتے ہیں۔ یہی حال رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں صحابہؓ کا تھا، وہ یہ خیال بھی نہیں کر سکتے تھے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو فوت ہو جائیں گے اور وہ زندہ رہیں گے۔مگر جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے تو انصار نے خلافت کے متعلق الگ مشورہ شروع کر دیا اور مہاجرین نے الگ۔ انصار نے یہ فیصلہ کیا کہ ہم شہر والے ہیں اور مہاجرین باہر کے رہنے والے ہیں، اس لئے باہر سے آنے والوں کا کوئی حق خلافت میں تسلیم نہیں کیا جا سکتا، یہ ہمارا ہی حق ہے اور لیڈر ہم میں سے ہی ہونا چاہئے۔مہاجرین کو جب یہ اطلاع ملی تو ان میں سے بھی بعض وہیں آ گئے۔ حضرت ابوبکر، حضرت عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت ابوعبیدہؓ ان میں شامل تھے۔ یہ خیال نہیں کرنا چاہئے کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ اور حضرت ابوعبیدہؓ اپنے ذاتی مفاد کے لئے وہاں گئے تھے بلکہ وہ اسلام میں تفرقہ پیدا ہونے کے خوف سے وہاں گئے اور انہوں نے چاہا کہ انصار کوئی ایسا فیصلہ نہ کریں جو مسلمانوں کے لئے مُضِرّ ہو۔غرض جب یہ وہاں پہنچے تو میٹنگ ہو رہی تھی۔ مہاجرین نے کہا کہ پہلے ہماری بات سُن لو اور وہ یہ ہے کہ عرب لوگ آپ کی اطاعت کے عادی نہیں، اگر انصار میں سے کوئی خلیفہ ہؤا تو مسلمانوں کو بہت سی مشکلات پیش آنے کا ڈر ہے اس لئے مکہ کے لوگوں میں سے آپ جس کو چاہیں اپنا امیر بنا لیں مگر انصار میں سے کسی کو نہ بنائیں۔ اس پر ایک انصاری نے کہا کہ اگر آپ لوگ ہماری بات نہیں مانتے تو پھر مِنَّا اَمِیْرٌ وَ مِنْکُمْ اَمِیْرٌ چلو ایک خلیفہ ہمارا ہو جائے اور ایک آپ کا۔ حضرت ابوبکرؓ نے اس کے نقائص بیان کئے اور آخر میں فرمایا کہ اگر انصار میں سے کوئی خلیفہ ہؤا تو عرب کے لوگ اسے نہیں مانیں گے۔ اس پر بعض انصار جوش میں کھڑے ہو گئے اور انہوں نے کہا اِس کے معنے یہ ہیں کہ انصار ہمیشہ غلامی ہی کرتے رہیں؟ وہ اس وقت بھی مہاجرین میں سے کسی کو خلیفہ مان لیں اور بعد میں بھی مہاجرین میں خلیفہ بنتے رہیں، انصار میں سے کوئی خلیفہ نہ بنے اور اس طرح وہ ہمیشہ کے لئے غلام اور ماتحت رہیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ سُن کر انصار کو بہت سی نصیحتیں کیں اور فرمایا ہم آپ لوگوں کا احسان مانتے ہیں، مگر آپ کو اِس وقت یہ دیکھنا چاہئے کہ اسلام کا فائدہ کس بات میں ہے؟ یہ سُن کر ایک انصاری کھڑے ہوئے اور انہوں نے ایک تقریر کی جو اسلامی تاریخ میں ہمیشہ سنہری حروف میں لکھی جائے گی۔

انہوں نے انصار کو مخاطب ہوتے ہوئے کہا اے لوگو! تم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ

میں خدا کی رضا کے لئے بُلایا تھا یا خلافت کے حصول کے لئے؟ اور اگر تم نے اسلام میں داخل ہو کر بڑی بڑی قربانیاں کیں تو اِس لئے کی تھیں کہ خدا راضی ہو جائے یا اِس لئے کی تھیں کہ خلافت ملے؟ اگر تمام قربانیاں تم نے خدا کی رضا کے حصول کے لئے کی تھیں تو خدارا! اب اپنی قربانیوں کو خلافت کی بحث میں برباد نہ کرو۔ مہاجرین جو کہتے ہیں سچ کہتے ہیں مناسب یہی ہے کہ تم اِس معاملہ کو خدا پر چھوڑ دو اور اپنی تجاویز کو جانے دو۔ اُس صحابی کا یہ فقرہ کہنا تھا کہ ساری قوم نے شور مچا دیا، بالکل درست ہے بالکل درست ہے۔ چنانچہ مہاجرین میں سے خلیفہ کا انتخاب کیا گیا اور انصار نے خوشی سے اُس کی بیعت میں اپنے آپ کو شامل کر لیا۔[۳۷] یہ عجیب بات ہے کہ آج تک بھی انصار میں سے کسی کو بادشاہت نہیں ملی، گو تصوّف والے اس کی ایک وجہ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ ایک موقع پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان پر ناراضگی کا اظہار کیا تھا اور فرمایا تھا کہ اب تمہیں دنیا میں کچھ نہیں مل سکتا جو کچھ لینا ہے حوضِ کوثر پر آ کر لے لینا۔ مگر سوال یہ ہے کہ کیا قیامت کے دن کسی کو اجر ملنا کوئی کم برکت والی چیز ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ بیشک دُنیوی انعامات بھی اللہ تعالیٰ کے فضل کا نتیجہ ہوتے ہیں مگر اصل انعام وہی ہیں جو انسان کو عالمِ آخرت میں ملیں۔ پس اگر انہیں قیامت کے دن انعامات مل گئے تو پھر تو اُنہیں سب کچھ مل گیا۔ لیکن بہرحال انصار نے دنیا میں کبھی حکومت نہیں کی اور یہ ایسی شاندار قربانی ہے جو بتاتی ہے کہ اِن لوگوں نے کس طرح اپنے دل اسلام اور مسلمانوں کے لئے کھول رکھے تھے۔

صحابہ کرامؓ لوگوں کو شر سے محفوظ رکھنے کا ذریعہ تھے!

پانچویں خصوصیت مساجد کی یہ ہے کہ وہ شر اور بدی سے روکنے کے لئے بنائی جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنۡھٰی عَنِ الۡفَحۡشَآءِ وَالۡمُنۡکَرِ[۳۸] کہ نماز انسان کو بدی اور بے حیائی کی باتوں سے روکتی ہے اِس بارہ میں بھی صحابہ نے بے نظیر مثال قائم کی ہے چنانچہ شر سے بچانے کا بہترین ثبوت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد کا ایک واقعہ ہے جس سے معلوم ہوسکتا ہے کہ مسلمانوں نے دنیا میں کس طرح انصاف قائم کیا۔ جب اسلامی لشکر رومیوں کو شکست دیتے دیتے شام تک چلا گیا تو ایک وقت ایسا آیا جبکہ رومی بادشاہ اپنا سارا لشکر جمع کر کے مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے آمادہ ہو گیا، اُس وقت اسلامی جرنیلوں نے یہ فیصلہ کیا کہ کچھ علاقے چھوڑ کر پیچھے ہٹ جانا چاہئے مگر اُن علاقوں کے لوگوں سے چونکہ انہوں نے ٹیکس اور جزیے وصول کئے ہوئے تھے اور

اس ٹیکس اور جزیہ کے وصول کرنے کی غرض یہ ہؤا کرتی ہے کہ اسی روپیہ کو خرچ کر کے لوگوں کی جان واموال کی حفاظت کی جائے۔ اس لئے جبکہ وہ ان علاقوں سے واپس جا رہے تھے انہوں نے سمجھا کہ اگر ہم نے اِن کے ٹیکس انہیں واپس نہ کئے تو یہ ظلم ہوگا، چنانچہ انہوں نے تمام شہر والوں کو ان کا جزیہ واپس دیدیا اور کہا کہ اب ہم واپس جا رہے ہیں اور چونکہ تمہاری حفاظت نہیں کر سکتے اس لئے ہم تمہارا ٹیکس تمہیں واپس دیتے ہیں۔ اِس واقعہ کا یروشلم کے عیسائیوں پر ایسا اثر ہؤا کہ باوجود اِس کے کہ مسلمانوں کے مقابلہ میں عیسائی بادشاہ تھا اور باوجود اِس کے کہ وہ اُسے لاکھوں روپیہ بطور نذرانہ دیا کرتے تھے جس وقت صحابہؓ کا لشکر یروشلم کو چھوڑنے لگا تو عورتیں اور مرد چیخیں مار مار کر روتے تھے اور دعائیں کرتے تھے کہ خدا تعالیٰ آپ لوگوں کو پھر اِس جگہ واپس لائے۔ دنیا کی کسی تاریخ میں اِس قسم کی مثال ڈھونڈنے پر بھی نہیں مل سکتی کہ کوئی قوم اُس وقت جبکہ وہ کسی علاقہ کو خالی کر رہی ہو لوگوں کو اُن کے وصول شُدہ ٹیکس واپس دے دے بلکہ آجکل تو ایسی حالت میں لوگوں کو اَور زیادہ لُوٹ لیا جاتا ہے۔ اسی طرح شر سے روکنے کی مثالیں تو اَور بھی بہت سی ہیں مگر مَیں وہ مثالیں دینا چاہتا ہوں جن کو سب دنیا مانتی ہے حتیٰ کہ مسلمانوں کے دشمن بھی تسلیم کرتے ہیں۔

شراب اور جُوئے کی ممانعت

چنانچہ ایک مثال مَیں جُوئے کی پیش کرتا ہوں اس سے اسلام نے روکا ہے۔ اسی طرح شراب سے اسلام نے بڑی سختی سے روکا ہے کیونکہ شراب بھی بڑی خرابیوں کا موجب ہوتی اور اِس سے انسان کی عقل ماری جاتی ہے چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ ان کے شر اور فساد کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے۔

اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَ الْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَ الْمَيْسِرِ وَ يَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ [۳۹]

فرمایا ہم نے شراب اور جوئے سے تمہیں روکا ہے مگر جانتے ہو ہم نے کیوں روکا ہے؟ اس لئے کہ ان کے ذریعہ فساد پیدا ہوتا ہے اور یہ چیزیں ذکرِ الٰہی اور عبادت کی بجاآوری میں روک بنتی ہیں اس طرح آپس میں عداوت اور بُغض پیدا ہوتا ہے۔ آج تمام یورپ اس امر کو تسلیم کرتا ہے کہ شراب بُری چیز ہے اور یوروپین مدبّر چاہتے ہیں کہ شراب نوشی روک دیں مگر وہ اپنی کوششوں میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ امریکہ نے شراب کے خلاف بڑا زور مارا مگر اڑھائی پرسنٹ (PERCENT) شراب کی اس نے بھی اجازت دیدی۔ گویا اس معاملہ میں امریکہ کی مثال ایسی ہی ہے جیسے

کہتے ہیں ایک کشمیری کہیں بیٹھا ہؤا تھا اور اُس نے اپنے اوپر ایک بہت بڑی چادر لپیٹی ہوئی تھی کسی شخص نے اس سے پوچھا کہ تمہارا کوئی بچہ بھی ہے؟ وہ کہنے لگا کوئی نہیں۔ اس نے کہا نہیں سچ سچ بتاؤ ایک یا دو تو ہوں گے، کہنے لگا سچ کہتا ہوں میرا تو ایک بچہ بھی نہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ کشمیری اُٹھا تو چادر کے نیچے سے چار بچے نکل آئے، یہ دیکھ کر وہی شخص اُسے کہنے لگا کہ تم تو کہتے تھے کہ میرا ایک بچہ بھی نہیں اور یہ تو چار بچے تمہارے ساتھ ہیں۔ اِس پر وہ کشمیری کہنے لگا، حضرت چار پُتّر بھی کوئی پُتّر ہوندی ہے یعنی چار بیٹے بھی کوئی بیٹے ہوتے ہیں (یہ مثال لوگوں نے اسی امر کے اظہار کے لئے بنائی کہ مَاشَاءَ اللّٰہُ کشمیریوں کے اولاد بہت ہوتی ہے) اسی طرح امریکہ والوں نے کہہ دیا کہ ۲½ پرسنٹ شراب کوئی شراب نہیں۔ مگر اس قدر اجازت دینے کے باوجود جب اس نے قانوناً شراب کی ممانعت کر دی تو مُلک میں خطرناک فساد برپا ہو گیا۔ ہزارہا آدمی سالانہ محض اس کی وجہ سے مارا جاتا تھا کیونکہ جنہیں شراب پینے کی عادت تھی وہ شراب کے لئے دوسروں کو روپیہ دیتے اور وہ چوری چُھپے لے آتے۔ آخر لفنگوں اور بدمعاشوں کی کمیٹیاں بن گئیں جو لوگوں سے روپیہ وصول کرتیں اور اُنہیں کسی نہ کسی طرح شراب مہیا کر دیتیں اور چونکہ اِس طرح مختلف کمیٹیوں والوں کی آپس میں رقابت ہوگئی اس لئے وہ موقع ملنے پر ایک دوسرے کے آدمیوں کو مروا دیتیں۔ پھر پولیس کو مقدمات چلانے پڑتے اور درجنوں کو گورنمنٹ پھانسی کی سزا دیتی۔ غرض ہزاروں مقدمات چلے، لاکھوں آدمی مارے گئے اور لاکھوں اس طرح مرے کہ جب انہیں شراب نہ ملتی تو وہ میتھی لیٹڈ سپرٹ (METHYLATED SPIRIT) پی لیتے جو سخت زہریلی چیز ہے اور اس طرح کئی مر جاتے اور کئی اندھے ہو جاتے۔ غرض امریکہ اڑھائی فیصدی شراب کی اجازت دے کر بھی اپنے ملک کو شراب پینے سے نہ روک سکا اور لاکھوں قتل ہوئے، لاکھوں مقدمات ہوئے اور لاکھوں اندھے اور بیکار ہوگئے۔ یہاں تک کہ آخر میں حکومت کو اپنا سر جُھکانا پڑا اور اس نے کہہ دیا کہ ہم ہارے اور شراب پینے والے جیتے چنانچہ اس نے ممانعتِ شراب کا قانون منسوخ کر دیا۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلان پر صحابہؓ نے شراب کے مٹکے توڑ ڈالے

مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھو جب یہ آیت اُتری کہ شراب حرام ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو مدینہ کی گلیوں میں اِس کا

اعلان کرنے کے لئے مقرر کیا تو احادیث میں آتا ہے ایک جگہ شادی کی مجلس لگی ہوئی تھی اور گانا گایا جا رہا تھا اتنے میں باہر سے آواز آئی کہ شراب حرام ہو گئی ہے، لکھا ہے جس وقت یہ اعلان ہؤا اُس وقت وہ لوگ شراب کا ایک مٹکا ختم کر چکے تھے اور دو مٹکے ابھی رہتے تھے۔ نشہ کی حالت ان پر طاری تھی اور وہ شراب کی ترنگ میں گا بجا رہے تھے کہ باہر سے آواز آئی شراب حرام کر دی گئی ہے۔ یہ سنتے ہی ایک شخص نشہ کی حالت میں بولا کہ کوئی شخص آوازیں دیتا ہے اور کہتا ہے شراب حرام ہو گئی ہے۔ دروازہ کھول کر پتہ تو لو کہ بات کیا ہے؟ اوّل تو کوئی شرابی نشہ کی حالت میں اِس قسم کے الفاظ نہیں کہہ سکتا مگر ان کا دینی جذبہ اس قدر زبردست تھا کہ انہوں نے معاً آواز پر اپنا کان دھرا اور ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا کہ دروازہ کھول کر دریافت کرو کہ بات کیا ہے؟ دوسرا شخص جس کو اس نے مخاطب کیا تھا وہ دروازہ کے پاس بیٹھا تھا اور اُس نے اپنے ہاتھ میں ایک مضبوط ڈنڈا پکڑا ہؤا تھا اس نے جواب دیا کہ پہلے میں ڈنڈے سے مٹکوں کو توڑوں گا اور پھر دریافت کرونگا کہ کیا بات ہے؟ جب ہمارے کان میں یہ آواز آ گئی ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب حرام کر دی ہے تو اب اس کے بعد ایک لمحہ کا توقف بھی جائز نہیں اس لئے مَیں پہلے مٹکے توڑوں گا اور پھر دروازہ کھول کر اس سے دریافت کرونگا۔ چنانچہ اس نے پہلے مٹکے توڑے اور پھر مُنادی والے سے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ اُس نے بتایا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب حرام کر دی ہے۔ اُس نے کہا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ہم پہلے ہی مٹکوں کو توڑ چکے ہیں۔[۴۰]
اب بتاؤ کہ کونسی مسجد ہے جو اس طرح بدیوں کو مٹا سکتی ہے۔

قتلِ اولاد کی ممانعت

دیکھو قتلِ اولاد ایک مانی ہوئی بدی ہے۔ ساری قومیں اس امر کو تسلیم کرتی ہیں کہ قتلِ اولاد بہت بڑا جُرم ہے مگر کسی قوم نے اس کے متعلق شرعی حکم نہیں دیا۔ صرف اسلام ہی وہ مذہب ہے جس نے دنیا کے سامنے سب سے پہلے اس حقیقت کو رکھا اور بتایا کہ اولاد کا مارنا حرام ہے اور اس طرح دنیا کو ایک بہت بڑے شر سے بچایا۔

عورتوں کے حقوق کی حفاظت

اسی طرح عورتوں پر ظلم ہوتے تھے آج ساری دنیا میں یہ شور مچ رہا ہے کہ عورتوں کو ان کے حقوق دینے چاہئیں، عورتوں کو ان کے حقوق دینے چاہئیں اور بعض مغرب زدہ نوجوان تو یہاں تک کہہ دیتے ہیں

کہ عورتوں کو حقوق عیسائیت نے ہی دیئے ہیں حالانکہ ان کو یہ کہتے ہوئے شرم آنی چاہیئے کیونکہ عورتوں کے حقوق کے سلسلہ میں اسلام نے جو وسیع تعلیم دی ہے عیسائیت کی تعلیم اُس کے پاسنگ بھی نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام نے عورتوں کو بہت وسیع حقوق دیئے ہیں۔ عربوں میں رواج تھا کہ ورثہ میں اپنی ماؤں کو بھی تقسیم کر لیتے مگر اسلام نے خود عورت کو وارث قرار دیا، بیوی کو خاوند کا، بیٹی کو باپ کا اور بعض صورتوں میں بہن کو بھائی کا بھی۔ پھر فرمایا وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ [۴۱] کہ انسانی حقوق کا جہاں تک سوال ہے عورتوں کو بھی ویسا ہی حق حاصل ہے جیسے مردوں کو، اِن دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ چنانچہ کل ہی مَیں نے عورتوں میں تقریر کرتے ہوئے انہیں بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح مردوں اور عورتوں کو یکساں احکام دیئے ہیں اسی طرح انعامات میں بھی اُنہیں یکساں شریک قرار دیا ہے اور جن نعماء کے مرد مستحق ہوں گے اسلامی تعلیم کے ماتحت قیامت کے دن وہی انعام عورتوں کو بھی ملیں گے۔ بلکہ کل تو مجھے ایک عجیب استدلال سُوجھا۔ میں نے کہا کہ قرآن اور حدیث نے تمہارا صرف ایک ہی مذہبی حق چھینا ہے اور وہ یہ کہ نبی مرد ہو سکتا ہے، عورت نبی نہیں ہو سکتی۔ صرف یہ ایک ایسا مقام ہے جس کے متعلق عورت کہہ سکتی ہے کہ مجھے کم انعام دیا گیا ہے اور مرد کو زیادہ مگر میں نے انہیں بتایا کہ نبوت صرف ایک عُہدہ ہے اور اِس عُہدہ کے ساتھ بہت بڑی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، پس اس لئے خدا نے اسے نبی نہیں بنایا۔ مگر انعامات کے لحاظ سے جو انعام عالَمِ آخرت میں نبی کو ملے گا وہی اُس کی بیوی کو بھی ملے گا، کیونکہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ جَنّٰتُ عَدْنٍ یَّدْخُلُوْنَهَا وَ مَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَ اَزْوَاجِهِمْ وَ ذُرِّیّٰتِهِمْ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ یَدْخُلُوْنَ عَلَیْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ سَلَامٌ عَلَیْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ [۴۲]

کہ جو لوگ جنت میں داخل ہونگے اُن کے ساتھ اُن کے والدین، اُن کی بیویوں اور اُن کے بچوں کو بھی رکھا جائے گا۔ اگر ایک شخص خود تو جنت کے اعلیٰ مقام پر ہوگا مگر اُس کی بیوی کسی ادنیٰ مقام پر ہوگی تو اللہ تعالیٰ بیوی کو اسی جگہ رکھے گا جہاں اس کا خاوند ہوگا اور یہ پسند نہیں کرے گا کہ میاں بیوی جُدا جُدا ہوں۔ پس موسیٰؑ کی بیوی موسیٰؑ کے ساتھ رکھی جائے گی داؤدؑ کی بیوی داؤدؑ کے ساتھ رکھی جائے گی، سلیمانؑ کی بیوی سلیمان کے ساتھ رکھی جائے گی اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رکھی جائیں

گی۔ بیشک موسیٰؑ کی بیوی نبی نہیں مگر نبوت کے انعام میں وہ بھی شریک ہو جائے گی۔ بیشک داؤدؑ کی بیوی نبی نہیں مگر داؤدؑ کے انعامِ نبوت میں ان کی بیوی بھی شریک ہو جائے گی۔ اِسی طرح حضرت سلیمانؑ کی بیویاں گو نبی نہیں مگر خدا انہیں وہی انعامات دے گا جو وہ سلیمانؑ کو دیگا۔ پھر میں نے انہیں کہا کہ تم تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت ہو اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی گیارہ بیویاں اور تین بیٹیاں تھیں، گویا ایک مرد کے ساتھ چودہ عورتیں انعام میں شریک ہوگئیں یہ کس قدر وسیع فیضان ہے اللہ تعالیٰ کے انعامات کا اور کس طرح اس نے اپنی رحمت میں عورتوں کو ڈھانپ لیا ہے کہ نہ اِس دنیا میں ان کی کوئی حق تلفی کی ہے اور نہ اگلے جہاں میں اُنہیں کسی انعام سے محروم رکھا ہے، حالانکہ عورتوں کی قوم اتنی مظلوم تھی کہ عرب لوگ روپوں کے بدلے اپنی ماؤں اور بیویوں تک کو بیچ دیا کرتے تھے۔ پس یہ مسجد کنویں کی منڈیر کا کام کرتی ہے یعنی وہ رسوم یا عادات یا اعمال جن سے لوگ تباہ ہوں اُن سے بچاتی اور گندگی کو اندر گرنے سے روکتی ہے۔

قیامِ امن کے متعلق اسلام کی جامع تعلیم

(۶) چھٹے مسجد امن کا موجب ہوتی ہے اور یہ مسجد ایسی ہے کہ جب اس کا نام ہی اسلام ہے اور اس کے ماننے والوں کا نام مُسلم اور مُسلم کے معنے ہی یہ ہیں کہ وہ ایسا شخص ہے جو دوسروں کو امن دیتا ہے چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم فرماتے ہیں۔ اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ يَدِهٖ وَ لِسَانِهٖ [۴۳]

کہ مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور جس کی زبان کے شر سے ہر وہ شخص محفوظ ہوتا ہے جو کسی کو نقصان نہیں پہنچاتا۔

اب میں تفصیل بتاتا ہوں کہ امن کن چیزوں سے برباد ہوتا ہے سو یاد رکھنا چاہئے امن چار چیزوں سے برباد ہوتا ہے۔

۱۔ امن برباد ہوتا ہے بدظنی سے۔

۲۔ امن برباد ہوتا ہے ظلم سے۔

۳۔ امن برباد ہوتا ہے غصہ کو اپنے اوپر غالب آنے دینے سے۔

۴۔ امن برباد ہوتا ہے لالچ سے۔

غرض دنیا میں جس قدر فسادات ہوتے ہیں وہ انہی چار وجوہ سے ہوتے ہیں یعنی یا تو

بدظنی کی وجہ سے فساد ہوتا ہے یا ظلم کی وجہ سے فساد ہوتا ہے یا غصے کو غالب آنے دینے سے فساد ہوتا ہے یا لالچ کی وجہ سے فساد ہوتا ہے۔

اِس کے مقابلہ میں امن بھی چار چیزوں سے قائم ہوتا ہے۔

۱۔ امن قائم ہوتا ہے خیر خواہی سے۔

۲۔ امن قائم ہوتا ہے مغفرت سے۔ مثلاً اگر کوئی گالی دے اور دوسرا معاف کر دے تو لڑائی کس طرح ہوسکتی ہے، کہتے ہیں تالی دونوں ہاتھ سے بجتی ہے جب فریقین میں سے ایک مغفرت سے کام لے اور عفوو درگزر کا سلوک کرے تو لڑائی بڑھ ہی نہیں سکتی۔

۳۔ اسی طرح احسان سے امن قائم ہوتا ہے۔

۴۔ پھر امن دین کو دُنیا پر مقدم رکھ کر بھی ہوتا ہے کیونکہ جب کوئی انسان اُخروی حیات پر ایمان رکھتا ہو اور اُس کو دنیا کی زندگی پر ہر لحاظ سے ترجیح دیتا ہو تو وہ امن کے قیام کی خاطر ہر قسم کی قربانی کرسکتا ہے۔

اب یہ آٹھوں باتیں جو نفی اور مثبت سے تعلق رکھتی ہیں ہمیں دیکھنا چاہئے کہ صحابہؓ میں پائی جاتی تھیں یا نہیں؟

اسلام میں بدظنی کی ممانعت

اوّل بدظنی ہے اس کے متعلق اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔ یٰٓاَ یُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا کَثِیْراً مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّ لَا تَجَسَّسُوْا [۴۴]

کہ اے مومنو! تم اکثر گمانوں سے بچا کرو کیونکہ بعض ظنّ ایسے ہیں جن سے گناہ پیدا ہوتا ہے۔ وَلَا تَجَسَّسُوْا اور تم دوسروں کے عیوب تلاش نہ کیا کرو۔ اب اگر کوئی شخص دوسرے پر حُسنِ ظنی کرے تو وہ اس کے عیب کو تلاش ہی نہیں کرسکتا۔ عیب اُسی وقت انسان تلاش کرتا ہے جب دل میں بدظنی کا مادہ موجود ہو۔ اب ہم صحابہؓ کے طریقِ عمل کو دیکھتے ہیں کہ اُن میں حُسنِ ظنی کس حد تک پائی جاتی تھی۔

تاریخ اسلام میں جب صحابہؓ کے واقعات دیکھے جاتے ہیں تو انسان حیران رہ جاتا ہے کہ اُن میں کس قدر خوبیاں پائی جاتی تھیں۔ ان میں نیک ظنی تھی تو کمال درجہ کی اور دیانت وامانت تھی تو اِس حد تک کہ اس کی اور کہیں مثال ہی نہیں ملتی۔ ان کی نیک ظنی کی مثال یہ ہے کہ لکھا ہے حضرت عمرؓ کے عہد میں ایک شخص پر قتل کا مقدمہ چلا اور قضاء نے اُس کے خلاف فیصلہ دیتے

ہوئے اس کے قتل کئے جانے کا حُکم دیدیا۔ جب اُسے قتل کرنے کے لئے لوگ لے گئے تو اُس نے کہا کہ میرے گھر میں کئی یتیموں کی امانتیں پڑی ہوئی ہیں، مجھے اجازت دی جائے کہ میں گھر میں جا کر وہ امانتیں اُن کو واپس دے آؤں، پھر میں اس جگہ اتنے دنوں میں حاضر ہو جاؤں گا۔ انہوں نے کہا کہ اپنا کوئی ضامن لاؤ۔ اُس نے اِدھر اُدھر دیکھا آخر اُس کی نظر ابوذر صحابیؓ پر جا پڑی اور اُس نے کہا کہ یہ میرے ضامن ہیں۔ ابوذرؓ سے پوچھا گیا کہ کیا آپ اس کی ضمانت دینے کے لئے تیار ہیں؟ انہوں نے کہا ہاں۔ خیر انہوں نے ضمانت دی اور وہ گھر چلا گیا۔ جب عین وہ دن آیا جو اُس کی حاضری کے لئے مقرر تھا تو صحابہؓ اِدھر اُدھر گھبراہٹ سے پھرنے لگے کیونکہ وہ شخص ابھی تک آیا نہیں تھا جب بہت دیر ہوگئی اور وہ نہ آیا تو صحابہؓ نے حضرت ابوذرؓ سے پوچھا کہ کچھ آپ کو پتہ بھی ہے وہ کون شخص تھا؟ انہوں نے کہا مجھے تو علم نہیں۔ صحابہ کہنے لگے اُس کا جُرم قتل تھا اور آپ نے بغیر کسی واقفیت کے اس کی ضمانت دے دی، یہ آپ نے کیا کِیا؟ اگر وہ نہ آیا تو آپ کی جان جائے گی۔ انہوں نے کہا، بیشک میں اُسے جانتا نہیں تھا مگر جب ایک مسلمان نے ضمانت کے لئے میرا نام لیا تو میں کس طرح انکار کرسکتا تھا اور کس طرح یہ بدظنی کرسکتا تھا کہ ممکن ہے وہ حاضر ہی نہ ہو۔ اب دیکھو اُن میں حُسنِ ظنی کا کس قدر مادہ پایا جاتا تھا کہ ایک شخص جس کی انہیں کچھ بھی واقفیت نہیں اُس کی اُنہوں نے ضمانت دیدی محض اس وجہ سے کہ وہ بدظنی کرنا نہیں چاہتے تھے۔ جب وقت بالکل ختم ہونے لگا تو صحابہ کو دُور سے گرد اُڑتی دکھائی دی اور انہوں نے دیکھا کہ ایک سوار بڑی تیزی سے اپنے گھوڑے کو دَوڑاتا ہؤا آرہا ہے۔ سب کی نظریں اُس سوار کی طرف لگ گئیں جب وہ قریب پہنچا تو وہ وہی شخص تھا جس کی حضرت ابوذرؓ نے ضمانت دی ہوئی تھی۔ وہ اپنے گھوڑے سے اُترا اور چونکہ بڑی تیزی سے اپنے گھوڑے کو دَوڑاتا چلا آیا تھا اس لئے اُس کے اُترتے ہی گھوڑا گِر کر مر گیا۔ اُس نے پاس آکر کہا کہ مجھے معاف کرنا، یتامٰی کی امانتیں تقسیم کرتے ہوئے مجھے کچھ دیر ہوگئی جس کی وجہ سے میں جلدی نہ آسکا اور اب میں گھوڑے کو دَوڑاتا ہی آرہا تھا تاکہ وقت کے اندر پہنچ جاؤں سو خدا کا شکر ہے کہ میں پہنچ گیا، اب آپ اپنا کام کریں۔ اس کی اس وفاداری کا اس قدر اثر ہؤا کہ جن لوگوں کا جُرم تھا انہوں نے فوراً قاضی سے کہدیا کہ ہم نے اپنا جُرم اس شخص کو معاف کر دیا۔[۴۵]

یہ وہ نیک ظن لوگ تھے جو دوسروں پر بدظنی کرنا جانتے ہی نہیں تھے اور پھر خدا بھی ان

کے نیک ظنوں کو پورا کر دیتا تھا۔

اسلام میں ہر قسم کے ظلم کی ممانعت

پھر فساد ظلم سے پیدا ہوتا ہے اور ظلم کی کئی قسمیں ہیں مگر اسلام نے اُن سب کو مٹا دیا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلَا یَغْتَبْ بَّعْضُکُمْ بَعْضاً [46] کہ ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو کیونکہ یہ بھی ایک قسم کا ظلم ہوتا ہے اور دوسرے کی عزت پر اس سے حملہ ہوتا ہے۔

دوسری چیز مال ہے جس کی وجہ سے ظلم کیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے بارہ میں بھی ہدایت دیتے ہوئے فرماتا ہے۔ وَلَا تَاْکُلُوْٓا اَمْوَالَکُمْ بَیْنَکُمْ بِالْبَاطِلِ [47] کہ جھوٹ اور فریب سے ایک دوسرے کے اموال نہ کھایا کرو۔

پھر جان ہوتی ہے اس کے متعلق فرمایا وَلَا تَقْتُلُوا اَنْفُسَکُمْ [48] کہ اپنے آپ کو قتل مت کرو۔

اسی طرح تجارت میں بعض دفعہ ظلم کا ارتکاب کر لیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس سے بھی روکا اور فرمایا وَیْلٌ لِّلْمُطَفِّفِیْنَ الَّذِیْنَ اِذَا اکْتَالُوْا عَلَی النَّاسِ یَسْتَوْفُوْنَ- وَ اِذَا کَالُوْھُمْ اَوْوَّزَنُوْھُمْ یُخْسِرُوْنَ [49]

کہ لعنت ہے اُن پر، ہلاکت ہے اُن پر جو لوگوں کے حقوق کو غصب کرتے ہیں اور جب چیزیں لیتے ہیں تو تول میں پوری لیتے ہیں اور جب دیتے ہیں تو کم دیتے ہیں گویا اسلام نے ظلم کی تمام شِقوں سے روک دیا اور اس طرح اُس نے جان کو بھی محفوظ کر دیا، عزّت کو بھی محفوظ کر دیا اور صحابہؓ نے اس پر ایسا عمل کر کے دکھایا کہ جس طرح حرم میں داخل ہو کر انسان امن میں آجاتا ہے اسی طرح وہ لوگوں کی عزّتوں اور ان کے مالوں اور ان کی جانوں کے محافظ تھے اور امانتیں تو ان کے پاس اس طرح محفوظ رہتی تھیں کہ آجکل کے بنکوں میں بھی ویسی محفوظ نہیں رہتیں۔ ایک صحابی ایک دفعہ ایک گھوڑا فروخت کرنے کے لئے لائے اور انہوں نے اس کی دوسَو دینار قیمت بتائی۔ ایک اور صحابی نے کہا کہ میں یہ گھوڑا لینا چاہتا ہوں مگر تم غلط کہتے ہو کہ اِس کی دوسَو دینار قیمت ہے اس کی تو پانچ سَو دینار قیمت ہے وہ کہنے لگے میں صدقہ خور نہیں کہ زیادہ قیمت لے لوں اِس کی اصل قیمت دوسَو دینار ہی ہے۔ اب وہ دونوں جھگڑنے لگ گئے۔ بیچنے والا کہتا تھا کہ میں دوسَو دینار لوں گا اور خریدنے والا کہتا تھا کہ میں پانچ سَو دینار دونگا۔ اب بتاؤ جہاں اِس قسم کے لوگ ہوں وہاں امن کِس شان کا ہوگا مگر اب تو جتنا کوئی مالدار ہو

اُتنا ہی دوسروں کو لُوٹنے کی کوشش کرتا ہے۔

میں ایک دفعہ بمبئی میں ایک دُکان پر کپڑا لینے کے لئے گیا میرے ساتھ مستورات بھی تھیں مگر وہاں ہمیں کافی دیر لگ گئی اور دُکاندار ایک اور شخص سے جھگڑنے میں مصروف رہا۔ آخر مَیں نے اُس سے کہا کہ بات کیا ہے اور اتنی دیر سے جھگڑ کیوں رہے ہو؟ اُس نے کہا کیا بتاؤں آج تو میں مصیبت میں پھنس گیا تھا یہ شخص بمبئی کا سب سے بڑا مشینوں کا مالک ہے۔ اس نے مجھ سے بیس پچیس کپڑے لئے اور میں نے اِن کا بل ایک سَو آٹھ روپیہ کا بنا کر اِس کے سامنے رکھ دیا۔ اِس پر یہ جھگڑنے لگا کہ میں اتنا بڑا آدمی ہوں میری رعایت کیا تم نہ کرو گے؟ میں یہ کہہ رہا تھا کہ ہماری دُکان پر ایک قیمت ہوتی ہے اتنا وقت ضائع کرنے کے بعد اِس کے سیکرٹری نے سَو کا نوٹ رکھ دیا اور کہا کہ اب بس کرو باقی رقم کا مطالبہ نہ کرو اور میری یہ حالت کہ میں اسے ناراض بھی نہیں کرسکتا، لیکن دوسری طرف اگر قیمت کم لیتا ہوں تو میری دُکان کا اصول ٹوٹتا ہے اب یہ زور سے کم قیمت دے کر چلا گیا ہے۔

غرض مسلمان اپنے غلبہ کے وقت میں اتنا سیر چشم تھا کہ اگر کوئی غلطی سے کم قیمت مانگتا تھا تو وہ اصرار کرتا تھا کہ میں اس کی قیمت زیادہ دونگا، مگر آج کے کروڑ پتی بھی سَودے میں کچھ معاف کروانے کے لئے خواہ جائز ہو یا نہ ہو گھنٹوں صَرف کر دیتے ہیں، دوسری طرف دُکاندار اور کارخانہ دار قیمت زیادہ وصول کرنے پر مُصِرّ ہوتے ہیں۔

تکبّر کی بُرائی

اِسی طرح دنیا میں خیالات کی خرابی کی وجہ سے بھی ظلم ہوتا ہے ایک انسان یہ خیال کرنے لگ جاتا ہے کہ میں بہت بڑا ہوں اور اس طرح وہ تکبر میں آکر دوسروں کی حق تلفی کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس غرور کو بھی توڑا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحاً اِنَّکَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلاً [50]

اے انسان! تُو زمین میں متکبرانہ طور پر نہ چلا کر کیونکہ اِنَّکَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ تُو زمین میں سے کہیں باہر نہیں نکل سکتا۔ یہی تیرے غریب بھائی جو تیرے اِرد گرد ہیں ان سے تجھے دن رات کام رہتا ہے اور تُو نے ان کے ساتھ مل جل کر کام کرنا ہے۔ خرق کے معنے پھاڑنے کے بھی ہوتے ہیں اور ملک میں سے گزرنے کے بھی۔ مطلب یہ ہے کہ تُو نے اِس زمین میں سے کہیں نکل نہیں جانا بلکہ اِس دنیا میں رہنا ہے اور دنیا میں انسان کو آرام اُس وقت تک نہیں مل سکتا جب تک وہ اپنے بھائیوں کے ساتھ مِل جُل کر نہ رہے۔ پس اللہ تعالیٰ لوگوں کو نصیحت

کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ دیکھو! تکبر نہ کرو کیونکہ اگر تم تکبر کرو گے اور اپنے اِرد گرد کے لوگوں کو ذلیل اور حقیر سمجھو گے تو تم اکیلے پھرتے رہو گے اور لوگ تمہیں غیر جنس خیال کرنے لگ جائیں گے اور اِس وجہ سے تمہیں امن میسر نہیں آ سکے گا۔ بھلا کبھی گھوڑوں اور گدھوں میں رہ کر بھی انسان کو امن حاصل ہوسکتا ہے امن تو اُس وقت حاصل ہوتا ہے جب انسان اپنی جنس کے ساتھ رہے۔ پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میاں دیکھو تم نے کسی اور جگہ نہیں جانا بلکہ تمہارے ان غریب بھائیوں نے ہی رات دن تمہارے کام آنا ہے اگر تم اپنے آپ کو کوئی غیر جنس سمجھو گے تو دُنیا میں اس طرح رہو گے جس طرح چڑیا گھر میں انسان رہتا ہے۔ پھر فرماتا ہے **وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا** اگر تم نے یہ طریق جاری رکھا تو یاد رکھو تم اِس صورت میں کبھی بھی قوم کے سرداروں میں شامل نہیں ہو سکو گے۔ اس لئے کہ جب تم قوم کو ذلیل سمجھو گے تو قوم تمہیں اپنا سردار کس طرح بنائے گی وہ تو تمہاری دشمن ہوگی اور تمہیں اپنی قوم کی نگاہوں میں عزّت نہیں بلکہ ذلّت حاصل ہوگی۔

قومی اخلاق کو بگاڑنے کی ممانعت

پھر قومی ظلموں میں سے ایک اخلاقی ظلم قوم کے اخلاق کو بگاڑنا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بنی نوع انسان کو اس سے بھی روکتا اور فرماتا ہے **لَا یُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ**[۱۵] کہ اللہ تعالیٰ یہ پسند نہیں فرماتا کہ کوئی بُری بات اونچی آواز سے کہی جائے۔ لوگ اِس کے یہ معنی کرتے ہیں کہ اگر کوئی مظلوم ہو تو اسے بیشک اجازت ہے کہ وہ برسرِ عام جو جی میں آئے کہتا پھرے لیکن کسی اور کو اس کی اجازت نہیں۔ مگر میرے نزدیک اس آیت کا اصل مفہوم یہ ہے کہ اگر کوئی مظلوم ہو تب بھی یہ پسندیدہ بات نہیں کہ وہ لوگوں میں بُرائیاں بیان کرتا پھرے۔ گویا اللہ تعالیٰ ہر ایک کو اس طریق سے روکتا اور فرماتا ہے کہ تُو جو اپنے ظلم کے خلاف شور مچاتا ہے تجھے یہ تو سمجھنا چاہئے کہ تُو اپنے ظلم کے متعلق تو شور مچا رہا ہے اور قوم کے اخلاق کو تباہ کر رہا ہے جیسے اگر کوئی ماں بہن کی گندی گالیاں دینا شروع کر دے اور پاس سے عورتیں گزر رہی ہوں تو ہر شریف آدمی اسے روکتا اور کہتا ہے کہ تجھے شرم نہیں آتی کہ تُو لوگوں کے اخلاق خراب کر رہا ہے اسی طرح خدا فرماتا ہے تُو شور کس بات پر مچا رہا ہے؟ کیا اس بات پر کہ تجھ پر ظلم ہؤا ہے مگر تجھے اتنی سمجھ نہیں کہ تُو اپنے ظلم پر شور مچا رہا ہے اور ساری قوم پر ظلم کر رہا ہے۔

بَیْنَ الْاَقْوَامی مناقشات کا سدِّ باب

پھر ایک اور ظلم حکومتوں پر ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس بارہ میں بھی کئی ہدایات دی ہیں اس کے

متعلق تفصیلی بحث میری کتاب ''احمدیت یعنی حقیقی اسلام'' میں موجود ہے۔ میں اس جگہ مختصراً چند باتیں بیان کر دیتا ہوں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا فَاِنْ بَغَتْ اِحْدٰهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَ اَقْسِطُوْا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ [۵۲]

اگر دو مومن حکومتیں آپس میں لڑ پڑیں تو باقی تمام حکومتوں کو چاہئے کہ سب مل کر ان سے کہیں کہ آپس میں صلح کرلو۔ اگر ان میں سے کوئی صلح کی تجویز کو مان کر باغی ہو جائے یا صلح کی تجویز کو قبول ہی نہ کرے اور لڑائی پر آمادہ رہے تو وہ حکومت جس نے بغاوت سے کام لیا ہو اس کے ساتھ سب مل کر لڑو اور مظلوم کو اکیلا نہ رہنے دو حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ یہاں تک کہ ابتداء کرنے والی حکومت یا قوم خدا تعالیٰ کے فیصلے کو مان لے فَاِنْ فَآءَتْ اگر وہ ظلم سے باز آ جائے اور اقرار کرلے کہ اس سے غلطی ہوئی تو پھر اس سے انتقام نہ لو اور اپنے آپ کو فریقِ مخالف قرار دے کر اس سے بیجا مطالبات نہ کرو، بلکہ ابتدائی مخاصمین کے درمیان صلح کرادو۔ وَاَقْسِطُوْا اور انصاف سے کام لو ایسا نہ ہو کہ تم غصہ سے کسی کے خلاف کوئی ایسا فیصلہ کردو جو عدل وانصاف کے منافی ہو اور کہو کہ چونکہ اس نے پہلے ہماری بات کو نہیں مانا تھا اس لئے اب اس پر سختی کرنی چاہئے۔ تمہیں جنبہ داری اور کینے کے تمام پہلوؤں کو نظر انداز کرتے ہوئے انصاف سے کام لینا چاہئے اور سمجھ لینا چاہئے کہ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔ میں اِس وقت تفصیلاً اِس مسئلہ کو بیان نہیں کر سکتا۔ تین چار سال ہوئے جب ایبے سینیا پر اٹلی نے حملہ کیا تھا تو اُس وقت جلسہ سالانہ کے موقع پر میں نے اِس مضمون پر روشنی ڈالی تھی اور بتایا تھا کہ امن کے قیام کے لئے ایسی ہی لیگ آف نیشنز (LEAGUE OF NATIONS) کام دے سکتی ہے جس کی بنیاد اسلامی اصول پر ہو۔ اگر اسلامی اصول پر لیگ آف نیشنز کی بنیاد نہ رکھی جائے تو وہ کبھی امن قائم نہیں کرسکتی۔ اس وقت یہ دستور ہے کہ جب کوئی قوم مغلوب ہو جاتی ہے تو اسے ہر ممکن طریق سے ذلیل اور رُسوا کرنیکی کی کوشش کی جاتی ہے جیسے گزشتہ جنگ کے اختتام پر جرمنی کو ''معاہدہ وارسائی'' [۵۳] کے ذریعہ کُچلنے کی پوری کوشش کی گئی اور انصاف کی حدود کو نظر انداز کر دیا گیا، حالانکہ قرآن کریم یہ کہتا ہے کہ جب کوئی قوم ہتھیار ڈال دے تو اس کے بعد جو بھی معاہدہ کیا جائے اُس کی بنیاد

انصاف پر ہونی چاہئے۔ یہ نہیں ہونا چاہئے کہ چونکہ ایک فریق مخالفت کر چکا ہے اور ہار چکا ہے اس لئے اس کے خلاف سخت فیصلہ کر کے اسے ذلیل کیا جائے یا اس سے بدلہ لیا جائے۔ گویا صلح کرانے والوں کو اپنے آپ کو فریقِ مخالف نہیں بنا لینا چاہئے بلکہ جنگ کے باوجود اپنے آپ کو ثالثوں کی صف میں رکھنا چاہئے۔ دوسرے آجکل کی لیگ کے قوانین میں یہ شرط نہیں رکھی گئی کہ اگر کسی فریق نے مقابلہ کیا تو اس سے لڑائی کی جائے گی بلکہ وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم منوانے کی کوشش کریں گے۔ اب جسے پتہ ہو کہ میرا کام صرف منوانے کی کوشش کرنا ہے وہ لڑائی کے لئے تیاری کیوں کرے گا اور بد اندیشے رکھنے والے لوگ اِس لیگ سے ڈریں گے کیوں؟ تیسرے اسلام نے یہ ہدایت دی تھی کہ اگر دو متحارب فریقوں میں سے ایک لڑائی پر آمادہ ہو جائے تو دوسرا قدم یہ اُٹھایا جائے کہ باقی سب اقوام مِل کر اس کے ساتھ لڑیں اور چونکہ ایک قوم سب اقوام کا مقابلہ نہیں کر سکے گی اِس لئے لازماً وہ ہتھیار ڈال دے گی اور صلح پر آمادہ ہو جائے گی مگر لیگ آف نیشنز میں ایسا کوئی قانون نہیں اس لئے اس کے فیصلہ سے کوئی قوم مرعوب نہیں ہوتی اور چونکہ اِن نقائص کی وجہ سے بارہا لیگ آف نیشنز امن کے قائم کرنے میں ناکام رہی ہے اس لئے اب بڑے بڑے مدبّر بھی یہ لکھ رہے ہیں کہ لیگ آف نیشنز کے پیچھے کوئی فوج ہونی چاہئے حالانکہ اصل بات یہ ہے کہ لیگ آف نیشنز کے پاس صرف فوج ہی نہیں ہونی چاہئے بلکہ اس کے علاوہ اس میں وہ باتیں بھی ہونی چاہئیں جو اسلام نے بتائی ہیں ورنہ امن قائم نہیں ہو سکتا۔

اپنے نفس پر ظلم کرنے کی ممانعت

یہ تو ہوتا ہے غیر پر ظلم مگر ایک ظلم نفس پر بھی ہوتا ہے جیسے انسان شادی کرنا چھوڑ دے۔ اب یہ تو ممکن ہے کہ کوئی شخص شادی نہ کرے مگر جو خواہشات اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے دل میں پیدا کی گئی ہیں اُن کو وہ کس طرح دبا سکتا ہے۔ اسی طرح کوئی شخص بھوکا تو رہ سکتا ہے مگر بھوک کی خواہش کو نہیں مٹا سکتا کیونکہ یہ خدا نے پیدا کی ہے۔ اور کسی انسان کا اپنی جائز خواہشات کو پورا نہ کرنا یہ بھی ایک ظلم ہے جو کسی غیر پر نہیں بلکہ اپنے نفس پر ہے اور اسلام اس ظلم سے بھی روکتا ہے چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ لَا رَهْبَانِيَةَ فِي الْإِسْلَامِ[۵۴] اسلام میں رہبانیت نہیں اور قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ رہبانیت جو بعض مذاہب نے شروع کر رکھی ہے اس کا ہم نے انہیں حکم نہیں دیا تھا بلکہ ان کی اپنی ایجاد ہے۔ اس

طرح قرآن کریم میں آتا ہے یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْکُمْ اَنْفُسَکُمْ لَا یَضُرُّکُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اھْتَدَیْتُمْ ۵۵

کہ اے مسلمانو! تم اپنی جانوں کی حفاظت کرو۔ ہم نے بیشک تمہیں حُکم دیا ہے کہ تم تبلیغ کرو، ہم نے تمہیں حُکم دیا ہے کہ تم تعلیم دو، ہم نے تمہیں حُکم دیا ہے کہ تم دوسروں کی تربیت کرو، لیکن اگر کبھی کوئی ایسا موقع آجائے کہ دوسرے کو ہدایت دیتے دیتے تمہارے اپنے ایمان کے ضائع ہو جانے کا بھی خطرہ ہو تو ایسی حالت میں تم دوسرے کو بیشک ہلاک ہونے دو اور اپنے ایمان کی حفاظت کرو۔

دیال سنگھ کالج کے بانی کے متعلق کہتے ہیں کہ وہ بالکل اسلام کے قریب پہنچ گئے تھے مگر جو شخص انہیں تبلیغ کر رہا تھا اُس نے ایک دفعہ صرف اِس آیت پر تھوڑی دیر کے لئے عمل چھوڑ دیا نتیجہ یہ ہؤا کہ وہ اسلام سے منحرف ہو گئے۔ سردار دیال سنگھ صاحب جن کے نام پر لاہور میں کالج بنا ہؤا ہے سکھ مذہب سے سخت متنفر تھے کسی مولوی سے انہیں اسلام کا علم ہؤا اور جب اسلامی تعلیم پر انہوں نے غور کیا تو وہ بہت ہی متأثر ہوئے اور انہوں نے اپنی مجلس میں اسلام کی خوبیوں کا اظہار کرنا شروع کر دیا اور کہنے لگ گئے کہ میں اب اسلام قبول کرنے والا ہوں۔ ان کا ایک ہندو دوست تھا جو بڑا چالاک تھا اُس نے جب دیکھا کہ یہ مسلمان ہونے لگے ہیں تو اس نے اُنہیں کہا کہ سردار صاحب! ہاتھی کے دانت کھانے کے اور ہوتے ہیں اور دکھانے کے اور۔ یہ تو محض مسلمانوں کی باتیں ہیں کہ اسلام بڑا اچھا مذہب ہے ورنہ عمل کے لحاظ سے کوئی مسلمان بھی اسلامی تعلیم پر کاربند نہیں۔ اگر آپ کو میری اس بات پر اعتبار نہ ہو تو جو مولوی آپ کو اسلام کی تبلیغ کرنے کے لئے آتا ہے آپ اس کے سامنے ایک سَو روپیہ رکھ دیں اور کہیں کہ ایک دن تُو میری خاطر شراب پی لے، پھر آپ دیکھیں گے کہ وہ شراب پیتا ہے یا نہیں۔ انہوں نے کہا بہت اچھا۔ چنانچہ جب دوسرے دن وہی مولوی آیا تو انہوں نے سَو روپیہ کی تھیلی اُس کے سامنے رکھ دی اور کہا مولوی صاحب! اب تو میں نے مسلمان ہو ہی جانا ہے، ایک دن تو آپ بھی میرے ساتھ شراب پی لیں اور دیکھیں میں نے آپ کی کتنی باتیں مانی ہیں کیا آپ میری اتنی معمولی سے بات بھی نہیں مان سکتے۔ اِس کے بعد تو میں نے شراب کو ہاتھ بھی نہیں لگانا، صرف آج شراب پی لیں۔ اُس نے سَو روپیہ کی تھیلی لے لی اور شراب کا گلاس اُٹھا کر پی لیا۔ سردار دیال سنگھ صاحب پر اِس کا ایسا اثر ہؤا کہ وہ بجائے مسلمان ہونے

کے برہموسماج سے جا ملے اور انہوں نے اپنی ساری جائداد اس کے لئے وقف کر دی۔ یہ نتیجہ تھا درحقیقت اس آیت کی خلاف ورزی کا حالانکہ اللہ تعالیٰ کا حکم یہ ہے کہ **لَا یَضُرُّکُمۡ مَّنۡ ضَلَّ اِذَا اھۡتَدَیۡتُمۡ** اگر روٹی کا سوال ہو تو بیشک خود بُھوکے رہو اور دوسرے کو کھانا کھلاؤ، لیکن جہاں ہدایت کا سوال آجائے اور تمہیں محسوس ہو کہ اگر تمہارا قدم ذرا بھی ڈگمگایا تو تم خود بھی ہدایت سے دُور ہو جاؤ گے تو تمہیں یاد رکھنا چاہئے کہ ایسی صورت میں تمہیں مضبوطی سے ہدایت پر قائم رہنا چاہئے اور دوسرے کی گمراہی کی پرواہ نہیں کرنی چاہئے۔

شرک کی ممانعت

تیسرا ظلم خدا تعالیٰ سے ہوتا ہے اسکے بارہ میں فرماتا ہے **وَاعۡبُدُوا اللّٰہَ وَ لَا تُشۡرِکُوۡا بِہٖ شَیۡئًا** [۵۶] کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ غرض اسلام ہی وہ مذہب ہے جس نے توحید کو دنیا میں قائم کیا اور اس طرح اس ظلم کا خاتمہ کر دیا جس کا خدا سے تعلق ہے اور مسلمان ہی وہ قوم ہے جس نے کبھی دوسروں پر ظلم نہیں کیا اور مسلمان ہی وہ قوم ہے جس نے کبھی اپنے نفس پر بھی ظلم نہیں کیا اور اس طرح اس نے امن کے برباد کرنے والے تمام اَسباب کا خاتمہ کر دیا۔

بے جا غضب کی ممانعت

(۳) امن کو برباد کرنے والا تیسرا سبب یہ ہوتا ہے کہ انسان غصہ کو اپنے اوپر غالب آنے دیتا ہے۔ قرآن کریم نے اس بدی کی بھی بیخ کنی کی ہے اور اصولی طور پر ہدایت دیتے ہوئے فرماتا ہے **وَ کَذٰلِکَ جَعَلۡنٰکُمۡ اُمَّۃً وَّسَطًا** [۵۷] کہ ہم نے تمہیں **اُمَّۃً وَّسَطًا** بنایا ہے یعنی ایسی اُمت جو ہر کام میں اعتدال کو مدّ نظر رکھتی ہے پس تمہارا فرض ہے کہ تم نہ تو غصہ میں بہہ جاؤ اور نہ محبت میں بہہ جاؤ بلکہ اگر محبت کرو تو ایک حد تک اور اگر غصہ کرو تو ایک حد تک۔ پھر فرماتا ہے **وَالۡکٰظِمِیۡنَ الۡغَیۡظَ وَالۡعَافِیۡنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰہُ یُحِبُّ الۡمُحۡسِنِیۡنَ** [۵۸] کہ مؤمن لوگ اپنے غصہ کو دبا کر رکھتے ہیں۔

حدیث میں آتا ہے جب کسی کو غصہ آئے تو اگر وہ اُس وقت چل رہا ہو تو کھڑا ہو جائے، اگر کھڑا ہو تو بیٹھ جائے اور اگر بیٹھا ہو تو لیٹ جائے اور اگر پھر بھی غصہ ٹھنڈا نہ ہو تو پانی پی لے۔ میں نے بچپن میں دیکھا ہے کہ جب بعض طالب علموں کی آپس میں لڑائی ہو جاتی تو ایک پانی لیکر دوسرے کے منہ میں ڈالنے لگ جاتا اور اس طرح وہ لڑکا جسے غصہ آیا ہوتا تھا بے اختیار ہنس پڑتا اور غصہ جاتا رہتا۔

خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نفس کے دبانے کو اتنی اہمیت دی ہے کہ آپ فرماتے ہیں۔ **لَیْسَ الشَّدِیْدُ بِالصُّرْعَۃِ اِنَّمَا الشَّدِیْدُ الَّذِیْ یَمْلِکُ نَفْسَہٗ عِنْدَ الْغَضَبِ** [۵۹] کہ بہادر اُس کو نہیں کہتے جو کُشتی میں دوسرے کو گرالے، بہادر وہ ہے جسے غصہ آئے تو وہ اُسے روک لے۔ پس بہادر غلام محمد پہلوان نہیں، بڑا بہادر ککر سنگھ پہلوان نہیں بلکہ بڑا بہادر وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے جذبات پر قابو رکھے اور اُس کو روک لے۔ اس بارہ میں حضرت علیؓ کی ایک مثال بڑی ایمان افزاء ہے۔ جنگ خیبر میں ایک بہت بڑے یہودی جرنیل کے مقابلہ کے لئے نکلے اور بڑی دیر تک اس سے لڑتے رہے چونکہ وہ بھی لڑائی کے فن کا ماہر تھا اس لئے کافی دیر تک مقابلہ کرتا رہا، آخر حضرت علیؓ نے اُسے گرالیا اور آپ اُس کی چھاتی پر چڑھ کر بیٹھ گئے اور ارادہ کیا کہ تلوار سے اُس کی گردن کاٹ دیں۔ اتنے میں اس یہودی نے آپ کے منہ پر تُھوک دیا۔ اِس پر حضرت علیؓ اُسے چھوڑ کر الگ کھڑے ہو گئے۔ وہ یہودی سخت حیران ہؤا کہ انہوں نے یہ کیا کیا؟ جب یہ میرے قتل پر قادر ہو چکے تھے تو انہوں نے مجھے چھوڑ کیوں دیا؟ چنانچہ اُس نے حضرت علیؓ سے دریافت کیا کہ آپ مجھے چھوڑ کر الگ کیوں ہو گئے؟ آپ نے فرمایا کہ میں تم سے خدا کی رضا کے لئے لڑ رہا تھا مگر جب تم نے میرے منہ پر تُھوک دیا تو مجھے غصہ آ گیا اور میں نے سمجھا کہ اب اگر میں تم کو قتل کرونگا تو میرا قتل کرنا اپنے نفس کے لئے ہوگا، خدا کے لئے نہیں ہوگا۔ پس میں نے تمہیں چھوڑ دیا تا کہ میرا غصہ فرو ہو جائے اور میرا تمہیں قتل کرنا اپنے نفس کے لئے نہ رہے۔ یہ کتنا عظیم الشان کمال ہے کہ عین جنگ کے میدان میں انہوں نے ایک شدید دشمن کو محض اس لئے چھوڑ دیا تا کہ اُن کا قتل کرنا اپنے نفس کے غصہ کی وجہ سے نہ ہو بلکہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہو۔

لالچ اور حسد کی ممانعت

(۴) امن کے برباد کرنے کا چوتھا سبب لالچ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اِس سے بھی روکتا اور فرماتا ہے **اَمْ یَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰی مَا اٰتٰھُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ** [۶۰]

کہ یہودی قوم بھی کوئی قوم ہے کہ خدا تو لوگوں پر فضل کرتا ہے اور یہ حسد سے مری جاتی ہے۔ دوسری جگہ فرماتا ہے **وَ لَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰہُ بِہٖ بَعْضَکُمْ عَلٰی بَعْضٍ** [۶۱] خدا نے دنیا میں مختلف قوموں پر جو فضل کئے ہیں ان کی وجہ سے ان قوموں سے حسد نہ کرو بلکہ اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل طلب کرو۔

قیامِ امن کے ذرائع

اب اسکے مقابل پر مَیں امن کے ذرائع کو لیتا ہوں۔

خیر خواہی

(۱) پہلا ذریعہ قیامِ امن کا خیر خواہی ہے ہمارے ملک میں یہ جذبہ اتنا کم ہے کہ جب بھی کوئی افسر بدلتا اوراس کی جگہ کوئی دوسرا افسر آتا ہےتو وہ پہلے افسر کے کام کے ضرور نقائص نکالتا ہے اگر ڈپٹی کمشنر آتا ہےتو پہلے ڈپٹی کمشنر کا نقص نکالتا ہے، کمشنر آتا ہےتو وہ پہلے کمشنر کے کام کی خرابیاں بتاتا ہےاور اگر جرنیل آتا ہےتو پہلے جرنیل کی سکیموں میں نقص نکالتا ہے مگر مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے کیسی اعلیٰ تعلیم دی ہے وہ فرماتا ہے وَالَّذِیْنَ جَآءُوْا مِنْۢ بَعْدِھِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّکَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ [۶۲]

سچا مسلمان وہ ہوتا ہے کہ جب خدا اسے کسی مقام پر کھڑا کرتا ہےتو پہلے لوگ جو فوت ہو چکے ہوں اُنکے متعلق یہ نہیں کہتا کہ فلاں سے یہ غلطی ہوئی اور فلاں سے وہ غلطی ہوئی بلکہ وہ ان کی خوبیوں کا اعتراف کرتا ہے اور اگر بعض سے کوئی غلطی ہوئی ہوتو ان کے متعلق دُعائیں کرتا رہتا ہے کہ اے میرے رب! مجھے بھی بخش اور میرے اُن بھائیوں کو بھی بخش جو مجھ سے پہلے ایمان لا چکے ہیں اور اے ہمارے رب! ہمارے دلوں میں مؤمنوں کا کوئی کینہ نہ رہنے دیجیئو۔ اے رب! تُو بڑا مہربان ہے تُو ان پر بھی رأفت اور رحم کر اور ہمارے دل میں ان کے متعلق محبت کے جذبات پیدا فرما تا کہ ہم اپنے پیشرووں کے نقص نکالنے کی بجائے ان کی خوبیوں کو بیان کرنے کے عادی ہوں۔

اسی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْہِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِہٖ [۶۳] کہ کوئی مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک اپنے بھائی کی نسبت وہ تمام باتیں نہ چاہے جو وہ اپنی نسبت چاہتا ہے۔ غور کرو کتنی وسیع خیر خواہی ہے جس کی اسلام اپنے ماننے والوں کو تعلیم دیتا ہے۔

مغفرت

(۲) امن کے قیام کا دوسرا ذریعہ مغفرت ہے اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے متقی وہ ہوتے ہیں وَالْکٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ جو غصّے کو دباتے ہیں اور لوگوں کے گناہوں کو معاف کرتے ہیں اِسی طرح فرماتا ہے خُذِالْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰھِلِیْنَ [۶۴] کہ عفو کو اپنی عادت بنالو یہ نہیں ہونا چاہیئے کہ تم کبھی کبھار کسی کو معاف کردو بلکہ دوسروں کو معاف کرنا تمہاری عادت میں داخل

ہونا چاہئے اور جو نیک اور پسندیدہ باتیں ہیں ان کا لوگوں کو حُکم دو اور اگر کوئی تمہیں غصہ دلائے تو اس کے فریب میں نہ آنا بلکہ ایسے جاہلوں سے اعراض کرنا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک دفعہ ایک صحابی نے پوچھا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! انسان دن میں کتنی دفعہ مغفرت کرے؟ آپؐ نے فرمایا: ستّر مرتبہ۔ اب ستّر سے مراد ستّر ہی نہیں کیونکہ انسان دن بھر میں دو یا چار قصور کرے گا، ستّر قصور نہیں کرسکتا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ستّر دفعہ معاف کرو۔ دراصل اس ستّر سے مراد کثرت ہے کیونکہ ستّر یا سات کے معنے عربی زبان میں کثرت کے ہوتے ہیں۔ اسی طرح فرماتا ہے وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ [۶۵]

مؤمنوں کو چاہئے وہ عفو کریں، درگزر کی عادت ڈالیں اور اس کا فائدہ یہ بتایا کہ کیا تم نہیں چاہتے کہ خدا تعالیٰ تمہارے گناہ بخشے؟ جب تم چاہتے ہو کہ خدا تمہارے گناہوں کو بخشے تو اے مؤمنو! تم بھی اپنے بھائیوں کے گناہوں کو بخشو، اگر تم اپنے بھائیوں کے گناہوں کو بخشو گے تو خدا تمہارے قصوروں کو معاف کرے گا۔

احسان

(۳) امن کو قائم کرنے کا ایک ذریعہ احسان ہے اسکے متعلق بھی قرآن کریم میں حُکم موجود ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۔

کہ مؤمن وہ ہیں جو غصّے کو دباتے ہیں، جو لوگوں کو معاف کرتے ہیں اور پھر ان پر احسان بھی کرتے ہیں، اسی طرح فرماتا ہے اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ وَ اِيْتَآءِ ذِي الْقُرْبٰى [۶۶]

کہ اللہ تعالیٰ عدل، احسان، ایتائے ذِی الْقُرْبٰی کا حکم دیتا ہے اِن تینوں کی مثال میں مَیں ایک واقعہ بیان کر دیتا ہوں جو مَیں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان سے سنا اور جسے بعد میں مَیں نے اور کتابوں میں بھی پڑھا ہے۔ وہ واقعہ یہ ہے کہ ایک دفعہ حضرت امام حسنؓ نے اپنے ایک غلام کو کوئی برتن لانے کے لئے کہا۔ اتفاقاً وہ برتن اُس نے بے احتیاطی سے اُٹھایا اور وہ ٹُوٹ گیا، وہ برتن کوئی اعلیٰ قسم کا تھا حضرت امام حسنؓ کو غصہ آیا۔ اس پر اُس غلام نے یہی آیت پڑھ دی اور کہنے لگا وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ کہ مؤمنوں کو اللہ تعالیٰ کا حُکم ہے کہ وہ اپنے غصہ کو دبالیں۔ حضرت امام حسنؓ نے فرمایا كَظَمْتُ الْغَيْظَ کہ میں نے اپنے غصہ کو دبا لیا اس

پر اُس نے آیت کا اگلہ حصہ پڑھ دیا اور کہنے لگا وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاس کہ مؤمنوں کو صرف یہی حُکم نہیں کہ وہ اپنے غصہ کو دبالیں بلکہ یہ بھی حُکم ہے کہ وہ دوسروں کو معاف کیا کریں۔ حضرت امام حسنؓ فرمانے لگے عَفَوْتُ عَنْکَ جاؤ میں نے تمہیں معاف کر دیا اِس پر وہ کہنے لگا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ اِس سے آگے یہ بھی حُکم ہے کہ مؤمن احسان کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی محبت محسنوں کو حاصل ہوتی ہے اس پر حضرت امام حسنؓ نے فرمایا جاؤ میں نے تمہیں آزاد کر دیا۔ گویا پہلے انہوں نے اپنے غصہ کو دبایا، پھر اپنے دل سے اسے معاف کر دیا اور پھر احسان یہ کیا کہ اُسے آزاد کر دیا۔

دین کو دنیا پر مُقدّم رکھنا

(۴) چوتھی بات جس کا امن کے قیام کے ساتھ تعلق ہے وہ دین کو دنیا پر مقدم رکھنا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب تک انسان کو یہ یقین نہ ہو کہ مرنے کے بعد بھی کوئی زندگی ہے اُس وقت تک وہ حقیقی قربانی نہیں کرسکتا، کیونکہ کچھ قربانیاں تو ایسی ہیں جن کا دنیا میں بدلہ مل جاتا ہے مگر بیسیوں قربانیاں ایسی ہیں جن کا دنیا میں کوئی بدلہ نہیں ملتا۔ پس حقیقی قربانی بغیر اُخروی زندگی پر یقین رکھنے کے نہیں ہوسکتی کیونکہ اس کے بغیر انسان اپنی قربانی کو ضائع سمجھتا ہے اور چونکہ حقیقی قربانی کے بغیر امن نہیں ہوسکتا اس لئے جب تک اُخروی زندگی پر ایمان نہ ہو اُس وقت تک حقیقی امن دنیا کو نصیب نہیں ہوسکتا، اللہ تعالیٰ اس کے متعلق قرآن کریم میں توجہ دلاتے ہوئے فرماتا ہے بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى [۶۷]

کہ مؤمن تو دین کو دنیا پر مقدم کرتا ہے مگر تم وہ ہو جو دنیا کو دین پر مقدم کر رہے ہو۔ اِنَّ هٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَ مُوْسٰى [۶۸] پہلے نبیوں کو بھی یہی تعلیم دی گئی کہ دین کو دنیا پر مقدم رکھو مگر ان کے اَتباع نے اس تعلیم کو بُھلا دیا اور دنیا کا امن برباد ہو گیا غرض یہ آٹھوں باتیں جو امن کے قیام کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں مسلمانوں میں پائی جاتی تھیں۔ وہ قیامت پر ایمان رکھتے تھے وہ دین کو دنیا پر مقدم رکھتے تھے، وہ محسن تھے، وہ مغفرت سے کام لیتے تھے، وہ خیر خواہ تھے، وہ بدظنی سے بچتے تھے، وہ ظلم کا ارتکاب نہیں کرتے تھے، وہ لالچ سے محفوظ رہتے تھے اور وہ غصے کو اپنے اوپر غالب نہیں آنے دیتے تھے۔

امامت کے وجود کا ظہور

(۷) ساتویں بات یہ ہے کہ مساجد کے ذریعہ قیامِ امامت کو قوم کے سامنے رکھا جاتا ہے تا کہ یہ سبق بُھولے نہیں اور

امامِ حقیقی کے وقت کام آئے، دوسرے سابقون کی نیکیاں قوم میں زندہ رکھنے کا خیال رہے۔ درحقیقت جس طرح مسجد، خانہ کعبہ کی یاد کو تازہ رکھتی ہے اس طرح امام نبوت کی یاد کو تازہ رکھتا ہے۔ اب دیکھ لو اس امر کو بھی مسلمانوں نے تازہ کیا اور مقامِ ابراہیم کو مُصَلّٰی بنایا یعنی امامت کا وجود ظاہر کیا۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر صحابہؓ نے خلافت کو قائم کیا اور امامت کو زندہ رکھا۔

پہلے حضرت ابوبکرؓ، پھر حضرت عمرؓ، پھر حضرت عثمانؓ اور پھر حضرت علیؓ مقامِ ابراہیم پر کھڑے رہے، گویا بالکل مسجد کا نمونہ تھا جس طرح مسجد میں لوگ ایک شخص کو امام بنا لیتے ہیں اس طرح صحابہؓ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فوت ہوتے ہی ایک شخص کو اپنا امام بنا لیا۔ اِس پر مجھے ایک لطیفہ یاد آ گیا۔ گجرات کے ایک دوست نے سنایا جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کی خبر پھیلی تو ایک مولوی کہنے لگا کہ جماعت احمدیہ انگریزی خوانوں کی جماعت ہے اسے دین کا کچھ پتہ نہیں اب فیصلہ ہو جائے گا کہ مرزا صاحب نبی تھے یا نہیں؟ کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ہر نبوت کے بعد خلافت ہوتی ہے اور تم میں چونکہ انگریزی خوانوں کا غلبہ ہے وہ ضرور انجمن کے ہاتھ میں کام دیدیں گے اور اس طرح ثابت ہو جائے گا کہ مرزا صاحب نبی نہیں تھے۔ دوسرے ہی دن یہاں سے تار چلا گیا کہ حضرت مولوی نورالدین صاحب خلیفہ ہو گئے ہیں یہ خبر جماعت کے دوستوں نے اس مولوی کو بھی جا کر سنا دی۔ وہ کہنے لگا مولوی نورالدین دین سے واقف تھا وہ چالاکی کر گیا ہے اس کے مرنے پر دیکھنا کہ کیا بنتا ہے۔ جب حضرت خلیفہ اوّل فوت ہوئے تو اُس وقت وہ ابھی زندہ تھا اور اُس وقت چونکہ یہ شور پیدا ہو چکا تھا کہ بعض لوگ کہتے ہیں اصل جانشین انجمن ہے اور بعض خلافت کے قائل ہیں اس لئے اُس نے سمجھا کہ اب تو جماعت ضرور ٹھوکر کھا جائے گی۔ چنانچہ اُس نے کہنا شروع کر دیا کہ میری بات یاد رکھنا اب ضرور تم نے انجمن کو اپنا مُطاع تسلیم کر لینا ہے مگر معًا یہاں سے میری خلافت کی اطلاع چلی گئی۔ یہ خبر سن کر وہ مولوی کہنے لگا کہ تم لوگ بڑے چالاک ہو۔

خلافت، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد کو قائم رکھتی ہے

غرض رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا کہ ہر نبوت کے بعد خلافت ہوتی ہے تو اس لئے کہ مسجد سے اس کی مشابہت ثابت ہو۔ جس طرح مسجد بنائی ہی اسی لئے جاتی ہے تا کہ عبادت میں اتحاد قائم رہے اسی طرح نبیوں کی جماعت قائم ہی اسی لئے کی جاتی ہے تا کہ عبودیت میں اتحاد قائم رہے۔ پس جس

طرح مسجد خانۂ کعبہ کی یاد کو قائم رکھتی ہے اسی طرح خلافت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد کو قائم رکھتی ہے یہی وہ حکم ہے جو اللہ تعالیٰ نے اِس آیت میں دیا تھا کہ وَاتَّخِذُوا مِنۡ مَّقَامِ اِبۡرٰهِیۡمَ مُصَلًّی۔ ایک خانۂ خدا قائم کر دیا گیا ہے اب تم بھی ابراہیمی طریق پر زندگی بسر کرو اور اس کی رُوح کو زندہ رکھو۔

مقامِ ابراہیمی کو مصلّٰی بنانے کا مفہوم

مقامِ ابراہیم کو مصلّٰی بنانے کے یہ معنے نہیں کہ ہر شخص ان کے مصلّٰی پر جا کر کھڑا ہو یہ تو قطعی طور پر ناممکن ہے اگر اس سے یہی مراد ہوتی کہ مقامِ ابراہیم پر نماز پڑھو تو اوّل تو یہی جھگڑا رہتا کہ حضرت ابراہیم نے یہاں نماز پڑھی تھی یا وہاں؟ اور اگر بالفرض یہ پتہ یقینی طور پر بھی لگ جاتا کہ انہوں نے کہاں نماز پڑھی تھی تو بھی ساری دنیا کے مسلمان وہاں نماز نہیں پڑھ سکتے تھے۔ صرف حج میں ایک لاکھ کے قریب حاجی شامل ہوتے ہیں، اگر حنفیوں کی طرح نماز میں مُرغ کی طرح ٹھونگیں ماری جائیں تب بھی ایک شخص کی نماز پر دو منٹ صَرف ہونگے اِس کے معنے یہ ہوئے کہ ایک گھنٹہ میں تیس اور چوبیس گھنٹے میں سات سَو بیس آدمی وہاں نماز پڑھ سکتے ہیں اب بتاؤ کہ باقی جو ۹۹ ہزار ۲۸۰ رہ جائیں گے وہ کیا کریں گے؟ اور باقی مُسلم دنیا کے لئے تو کوئی صورت ہی ناممکن ہوگی۔ پس اگر اِس حُکم کو ظاہر پر محمول کیا جائے تو اِس پر عمل ہو ہی نہیں سکتا۔ پھر ایسی صورت میں فسادات کا بھی احتمال رہتا ہے بلکہ ایک دفعہ تو محض اس جھگڑے کی وجہ سے مکہ میں ایک قتل بھی ہو گیا تھا پس اس آیت کے یہ معنے نہیں بلکہ جیسا کہ میں بتا چکا ہوں اس میں اللہ تعالیٰ نے امامت کی طرف اشارہ کیا ہے اور ہدایت دی ہے کہ تمہارا ایک امام ہو تاکہ اس طرح سنتِ ابراہیمی پوری ہوتی رہے، درحقیقت آیت اِنِّیۡ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا قَالَ وَ مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ قَالَ لَا یَنَالُ عَهۡدِی الظّٰلِمِیۡنَ۔ وَ اِذۡ جَعَلۡنَا الۡبَیۡتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَ اَمۡنًا وَ اتَّخِذُوۡا مِنۡ مَّقَامِ اِبۡرٰهِیۡمَ مُصَلًّی [۶۹] میں دو اماموں کا ذکر کیا گیا ہے پہلے فرمایا کہ اِنِّیۡ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا میں تجھے امام یعنی نبی بنانے والا ہوں۔ اس پر حضرت ابراہیم نے عرض کیا وَ مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ میری ذریت کو بھی نبی بنا، کیونکہ اگر مَیں مرگیا تو کام کس طرح چلے گا؟ خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ بات غلط ہے، تمہاری اولاد میں سے تو بعض زمانوں میں ظالم ہی ظالم ہونے والے ہیں، یہ کس طرح ہوسکتا ہے کہ ان ظالموں کے سپرد یہ کام کیا جائے۔ ہاں ہم تمہاری اولاد کو یہ حکم دیتے ہیں کہ سنّتِ ابراہیمی کو قائم رکھیں جو

لوگ ایسا کریں گے ہم ان میں سے امام بناتے جائیں گے۔ اس طرح ابراہیم ان میں زندہ رہے گا اور وہ خدا تعالیٰ کے تازہ بتازہ انعامات سے حصہ لیتے چلے جائیں گے۔ پس اِس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دو اماموں کا ذکر کیا ہے، ایک امامتِ نبوت جو خدا تعالیٰ کی طرف سے براہِ راست ملتی ہے اور دوسری امامتِ خلافت جس میں بندوں کا بھی دخل ہوتا ہے اور جس کی طرف وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى میں اشارہ کیا گیا ہے یعنی اِس میں کسب کا دخل ہے پس تم اس کے لئے کوشش کرتے رہو۔ غرض اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو یہ ہدایت کی ہے کہ جب امامتِ نبوت نہ ہو تو امامتِ خلافت کو قائم کرلیا کرو، ورنہ اگر ظاہری معنے لئے جائیں تو اِس حُکم پر کوئی عمل نہیں کرسکتا۔

اسلام میں مہمان نوازی پر خاص زور

(۸) آٹھویں بات یہ ہے کہ مساجد مسافروں کے لئے بنائی جاتی ہیں یہ خوبی بھی اسلام اور مسلمانوں میں بدرجۂ اتم پائی جاتی ہے۔ کیونکہ شریعتِ اسلامی میں مسافروں کی مہمان نوازی کا شدید حُکم ہے خود قرآن کریم نے اِبْنُ السَّبِيْل کی خدمت کو خاص احکام میں شامل کیا ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بھی احادیث میں مسلمانوں کو مہمان نوازی کی بار بار تلقین کی ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانہ میں اس حُکم پر اس طرح عمل کیا جاتا تھا کہ جو مسافر آتے وہ مسجد میں آکر ٹھہر جاتے اور روزانہ یہ اعلان کر دیا جاتا کہ آج مسجد میں اِس قدر مہمان ٹھہرے ہوئے ہیں جس جس کو توفیق ہو وہ انہیں اپنے گھروں میں لے جائے اور ان کی مہمانی کرے۔ ایک دفعہ ایسا ہی واقعہ پیش آیا مسجد میں ایک مہمان آ گیا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کی طرف دیکھ کر فرمایا کیا اِس مہمان کو اپنے گھر لے جاسکتے ہو؟ اُس نے عرض کیا کہ بہت اچھا۔ چنانچہ وہ اسے لیکر گھر پہنچا اور بیوی سے کہا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے میرے سپرد آج ایک مہمان کیا ہے کیا گھر میں کچھ کھانے کے لئے موجود ہے؟ اُس نے کہا کہ بس ایک آدمی کا کھانا ہے میری تو یہ خواہش تھی کہ آج میں اور تم دونوں فاقہ کرتے اور کھانا بچوں کو کِھلا دیتے مگر اب چونکہ مہمان آ گیا ہے اس لئے اب کھانا مہمان کو کِھلا دیتے ہیں اور بچوں کو کسی طرح تھپکا کر مَیں سُلا دیتی ہوں۔ صحابی نے کہا یہ تو ہو جائے گا مگر ایک بڑی مشکل ہے۔ بیوی نے پوچھا وہ کیا؟ خاوند کہنے لگا جب یہ کھانا کھانے بیٹھا تو اصرار کرے گا کہ ہم بھی اس کے ساتھ کھانا کھائیں پھر ہم کیا کریں گے؟ (اُس وقت تک پردہ کا حکم نازل نہیں ہؤا تھا)

بیوی کہنے لگی کہ میرے ذہن میں ایک ترکیب آئی ہے اور وہ یہ کہ جب وہ کھانا کھانے بیٹھے تو میں اور تم دونوں اس کے ساتھ بیٹھ جائیں گے اُس وقت تم مجھے کہنا کہ روشنی کم ہے فتیلہ ذرا اوپر کردو۔ اور میں روشنی کو تیز کرنے کے بہانے سے اُٹھوں گی اور چراغ کو بُجھا دونگی تا کہ اندھیرا ہو جائے اور وہ دیکھ نہ سکے کہ ہم اس کے ساتھ کھانا کھا رہے ہیں یا نہیں۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ دستر خوان بچھا تو خاوند کہنے لگا روشنی کچھ کم ہے ذرا اونچی کردو۔ بیوی اُٹھی اور اُس نے چراغ کو بُجھا دیا۔ جب اندھیرا ہو گیا تو خاوند کہنے لگا آگ سُلگاؤ اور چراغ روشن کرو۔ بیوی نے کہا آگ تو ہے نہیں، اُس نے کہا ہمسایہ سے مانگ لو۔ اُس نے کہا اِس وقت ہمسائے کو کون جا کر تکلیف دے بہتر ہے کہ اسی طرح کھا لیا جائے۔ مہمان بھی کہنے لگا اگر اندھیرا ہو گیا ہے تو کیا حرج ہے اسی طرح کھانا کھائیں گے۔ چنانچہ اندھیرے میں ہی میاں بیوی اس کے قریب بیٹھ گئے اور مہمان نے کھانا کھانا شروع کر دیا۔ خاوند اور بیوی دونوں نے چونکہ مشورہ کیا ہؤا تھا اس لئے مہمان تو کھاتا رہا اور وہ دونوں خالی منہ ہلاتے رہے اور یہ ظاہر کرتے رہے کہ گویا وہ بھی کھانا کھا رہے ہیں۔ خیر کھانا ختم ہؤا اور مہمان چلا گیا۔ اللہ تعالیٰ کو ان دونوں میاں بیوی کی یہ بات ایسی پسند آئی کہ رات کو اللہ تعالیٰ نے الہام کے ذریعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اِس واقعہ کی خبر دیدی۔ جب صبح ہوئی تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا لوگو! کچھ پتہ بھی ہے کہ رات کو کیا ہؤا؟ صحابہؓ نے کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! ہمیں تو معلوم نہیں اِس پر آپؐ نے یہ تمام واقعہ بیان کیا اور فرمایا کہ جب میاں بیوی دونوں اندھیرے میں بیٹھے خالی منہ ہِلا رہے تھے تو اُس وقت اللہ تعالیٰ ان کی اِس حرکت پر عرش پر ہنسا۔ پھر آپؐ نے ہنستے ہوئے فرمایا جب اِس بات پر اللہ تعالیٰ ہنسا ہے تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کیوں نہ ہنسے۔[۵۷] اِس واقعہ سے ظاہر ہے کہ صحابہ مہمان نوازی کو کس قدر اہم قرار دیتے تھے اور کس طرح مسجدوں کی طرح ان کے گھر کے دروازے مہمانوں کے لئے کُھلے رہتے تھے۔

اسی طرح ایک واقعہ ہم نے بچپن میں اپنے کورس میں پڑھا تھا بعد میں اس کا پڑھنا کسی بڑی کتاب میں یاد نہیں۔ وہ اس طرح ہے کہ ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک یہودی آیا جو بڑا ہی خبیث الفطرت تھا۔ رات کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے سونے کے لئے بستر دیا، تو اُس نے دشمنی اور عداوت کی وجہ سے اس بستر میں پاخانہ پھر دیا اور علی الصبح اُٹھ کر چلا گیا مگر جاتے ہوئے وہ اپنی کوئی چیز بُھول گیا۔ جب صبح ہوئی تو کسی خادمہ

نے دیکھ لیا اور وہ غصہ میں آکر اُس یہودی کو گالیاں دینے لگ گئی۔ اتفاقاً رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بھی اُس کی آواز کو سن لیا اور جب دریافت کرنے پر اُس نے بتایا کہ وہ یہودی بستر میں پاخانہ پھر کر چلا گیا ہے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پانی لاؤ میں خود دھو دیتا ہوں چنانچہ وہ پانی لائی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بستر کو صاف کرنا شروع کر دیا۔ اِسی دوران میں یہودی اپنی بُھولی ہوئی چیز لینے کے لئے آ گیا۔ جب وہ قریب آیا تو اُس نے دیکھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود بستر کو دھو رہے ہیں اور اُس خادمہ سے کہہ رہے ہیں کہ چُپ چُپ! گالیاں مت دو۔ اگر یہ بات پھیل گئی تو وہ شخص شرمندہ ہوگا۔ اِس بات کا اُس یہودی کے دل پر اتنا اثر ہؤا کہ اُسی وقت مسلمان ہو گیا۔ تو ضیافت میں مسلمانوں نے کمال کر دکھایا تھا اور مسلمانوں کے گھر مسجدیں بن گئے تھے جس طرح مسجد میں مہمان آ کر ٹھہرتے ہیں اسی طرح ان کے دروازے ہر وقت مہمانوں کیلئے کُھلے رہتے۔ اسی بناء پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر قصبہ پر تین دن کی ضیافت فرض ہے اور اگر کسی گاؤں کے رہنے والے اس فرض کو ادا نہ کریں تو اُن سے تین دن تک زبردستی دعوت لینے کی اجازت ہے[اے] بلکہ اس حکم کا مسلمانوں پر اتنا اثر تھا کہ ایک صوفی کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ وہ کماتے نہیں تھے ایک دفعہ کسی دوسرے بزرگ نے انہیں نصیحت کی کہ یہ عادت ٹھیک نہیں۔ ساری دنیا کماتی ہے آپ کو بھی رزق کے لئے کچھ نہ کچھ جدوجہد کرنی چاہئے۔ انہوں نے کہا کہ مہمان اگر اپنی روٹی خود پکائے تو اس میں میزبان کی ہتک ہوتی ہے۔ میں خدا کا مہمان ہوں اگر خود کمانے کی کوشش کروں تو اِس سے خدا ناراض ہوگا۔ انہوں نے کہا ٹھیک ہے آپ خدا کے مہمان ہوں گے مگر آپ کو معلوم ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مہمانی صرف تین دن ہوتی ہے۔ وہ کہنے لگے یہ تو مجھے بھی معلوم ہے مگر میرے خدا کا ایک دن ہزار سال کے برابر ہوتا ہے جس دن تین ہزار سال ختم ہو جائیں گے اُس دن میں بھی اس کی مہمانی چھوڑ دونگا۔

ذکرِ الٰہی اور دین کے لئے قربانی کرنے والوں کا جتّھا

(۹) نویں بات یہ ہے کہ مساجد کا ایک فائدہ شہریوں کے لئے ہوتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے وَالْعٰكِفِيْنَ میں اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے۔ دوسری جگہ قَآئِمِيْنَ کا لفظ آتا ہے اور ان ہر دو کے مفہوم میں شہری ہی داخل ہیں اور شہریوں کو مسجد سے پہلا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ وہ وہاں ہر قسم کے شور و شغب سے محفوظ ہو کر ذکرِ الٰہی کرتے

اور عبادتِ الٰہی بجالاتے ہیں اور یہی کام سب انبیاء کی جماعتیں کرتی ہیں۔ ایک جتھّا ذکرِ الٰہی کے لئے بن جاتا ہے اور وہ عبادت کے معاملہ میں ایک دوسرے سے تعاون کرتا ہے جو اکیلے اکیلے انسان کو حاصل نہیں ہوسکتا۔ مسلمانوں میں بھی یہی طریق رائج تھا بعض بعض کو پڑھاتے تھے اور بعض دوسروں کو لوگوں کے ظلموں سے بچاتے تھے جیسے حضرت ابوبکرؓ نے بہت سے غلام آزاد کئے اگر وہ لوگ متفرق ہوتے تو یہ فائدہ نہ ہوسکتا۔

قومی ترقی کیلئے اجتماعی کاموں کی تلقین

(ب) مساجد کا شہریوں کو دوسرا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اجتماعی عبادت کا کام دیتی ہیں۔ یہ کام بھی انبیاء کی جماعت کا ہوتا ہے اور مسلمانوں نے کِیا۔ مثلاً وہ چندے جمع کرکے غرباء کی خدمت کرتے، اکٹھے ہوکر جہاد کرتے، اِسی طرح قوم کی ترقی کے لئے اقتصادی اور علمی کام سرانجام دیتے۔

اُمر بالمعروف اور نہی عَنِ الْمُنکر کا فریضہ سرانجام دینے والا گروہ

(۱۰) دسواں کام مساجد کا یہ بتایا کہ وَالرُّکَّعِ السُّجُوْدِ یعنی مساجد میں ایسے لوگ رہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے دین کی خدمت کے لئے وقف ہوتے ہیں مسلمانوں نے یہ نمونہ بھی دکھایا چنانچہ قرآن کریم میں حکم ہے وَلْتَکُنْ مِّنْکُمْ اُمَّۃٌ یَّدْعُوْنَ اِلَی الْخَیْرِ وَ یَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ یَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ [۲۷]

کہ تم میں ایک ایسی اُمت ہونی چاہئے جو لوگوں کو خیر کی طرف بُلائے، انہیں نیک باتوں کا حکم دے اور انہیں بُری باتوں سے روکے، یہی لوگ ہیں جو کامیاب ہونے والے ہیں۔ اس حکم کے مطابق مسلمانوں میں ایک جماعت ایسے لوگوں کی تھی جن کا دن رات یہی کام تھا مثلاً حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن عمروؓ، حضرت ابوذر غفاریؓ، حضرت سلمان فارسیؓ، حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت انسؓ بن مالک وغیرہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنی زندگیاں اس غرض کے لئے وقف کردی تھیں اور ان لوگوں کا کام صبح و شام آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے علمِ دین سیکھنا اور اسے لوگوں تک پہنچانا تھا۔ ان کے علاوہ وہ لوگ بھی تھے جو گو کچھ دُنیوی کام بھی کرتے تھے مگر اکثر وقت اِسی کام میں لگے رہتے تھے۔ ان میں حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ رضوانُ اللہ علیہم شامل تھے۔ ان لوگوں نے ایسے کٹھن اور صبر آزما

حالات میں یہ کام کیا ہے کہ ان کی زندگی کے واقعات پڑھ کر رونا آتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی دین کیلئے فاقہ کشی

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے آخری چھ سالوں میں داخلِ اسلام ہؤا تھا اور چونکہ اسلام پر کئی سال گزر چکے تھے اس لئے میں نے دل میں تہیہ کر لیا کہ اب میں ہر وقت مسجد میں بیٹھا رہوں گا تا کہ جب بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کوئی بات فرمائیں میں فوراً سُن لوں اور اُسے دوسرے لوگوں تک پہنچا دوں۔ چنانچہ انہوں نے مسجد میں ڈیرہ لگا لیا اور ہر وقت وہیں بیٹھے رہتے۔ ان کا بھائی انہیں کبھی کبھی کھانا بھجوا دیتا لیکن اکثر انہیں فاقے سے رہنا پڑتا۔ وہ خود بیان کرتے ہیں کہ بعض دفعہ کئی کئی دن کا فاقہ ہو جاتا اور شدتِ بُھوک کی وجہ سے میں بے ہوش ہو جاتا۔ لوگ یہ سمجھتے کہ مجھے مرگی کا دورہ ہو گیا ہے اور وہ میرے سر میں جُوتیاں مارنے لگ جاتے کیونکہ عرب میں اُن دنوں مِرگی کا علاج یہ سمجھا جاتا تھا کہ آدمی کے سر پر جُوتیاں ماری جائیں۔ غرض میں تو بھوک کے مارے بیہوش ہوتا اور وہ مجھے مرگی زدہ سمجھ کر میرے سر پر تڑاتڑ جُوتے مارتے چلے جاتے۔ کہتے ہیں اِسی طرح ایک دفعہ مَیں مسجد میں بھوکا بیٹھا تھا اور حیران تھا کہ اب کیا کروں؟ مانگ مَیں نہیں سکتا تھا کیونکہ مانگتے ہوئے مجھے شرم آتی تھی اور حالت یہ تھی کہ کئی دن سے روٹی کا ایک لُقمہ تک پیٹ میں نہیں گیا تھا۔ آخر مَیں مسجد کے دروازہ پر کھڑا ہو گیا کہ شاید کوئی مسلمان گزرے اور میری حالت کو دیکھ کر اسے خود ہی خیال آ جائے اور وہ کھانا بھجوا دے۔ اتنے میں مَیں نے دیکھا کہ حضرت ابو بکرؓ چلے آ رہے ہیں۔ میں نے اُن کے سامنے قرآن کریم کی ایک آیت پڑھ دی جس میں بھوکوں کو کھانا کھِلانے کا ذکر آتا ہے اور میں نے کہا کہ اِس کے معنے کیا ہیں؟ حضرت ابو بکرؓ نے اُس آیت کی تفسیر بیان کی اور آگے چل پڑے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ مجھے بڑا غصہ آیا اور میں نے اپنے دل میں کہا کہ مجھے کیا تفسیر کم آتی ہے کہ یہ مجھے اِس کی تفسیر بتانے لگے ہیں۔ خیر وہ گئے تو حضرت عمرؓ آ گئے۔ میں نے اپنے دل میں کہا یہ بڑا زیرک انسان ہے یہ ضرور میرے مقصد کو سمجھ لے گا چنانچہ میں نے ان کے سامنے بھی قرآن کی وہی آیت پڑھ دی اور کہا کہ اس کے معنے کیا ہیں؟ انہوں نے بھی اِس آیت کی تفسیر کی اور آگے چل پڑے۔ مجھے پھر غصہ آیا کہ کیا عمرؓ مجھ سے زیادہ قرآن جانتے ہیں؟ میں نے تو اِس لئے معنے پوچھے تھے کہ انہیں میری حالت کا احساس ہو مگر یہ ہیں کہ معنے کر کے آگے چل دیئے۔ جب

حضرت عمرؓ بھی چلے گئے تو میں سخت حیران ہؤا کہ اب کیا کروں؟ اتنے میں میرے کانوں میں ایک نہایت ہی شیریں آواز آئی کہ ابو ہریرہ! کیا بھوک لگی ہے؟ میں نے مڑ کر دیکھا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے تھے، پھر آپ نے فرمایا، اِدھر آؤ ہمیں بھی آج فاقہ تھا مگر ابھی ایک مسلمان نے دودھ کا پیالہ تحفہ بھیجا ہے پھر آپ نے فرمایا مسجد میں نظر ڈالو، اگر کوئی اَور شخص بھی بھوکا بیٹھا ہو تو اُسے بھی اپنے ساتھ لے آؤ۔ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں مَیں مسجد میں گیا تو ایک نہ دو بلکہ اکٹھے چھ آدمی میرے ساتھ نکل آئے۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ آج شامت آئی۔ دودھ کا پیالہ تو مجھ اکیلے کیلئے بھی بمشکل کفایت کرتا مگر اب تو کچھ بھی نہیں بچے گا۔ بھلا جہاں سات آدمی دودھ پینے والے ہوں وہاں کیا بچ سکتا ہے مگر خیر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حُکم تھا میں اُن کو اپنے ہمراہ لیکر کھڑکی کے پاس پہنچا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ دودھ کا پیالہ بجائے مجھے دینے کے اُن میں سے ایک کے ہاتھ میں دیدیا۔ میں نے کہا بس اب خیر نہیں، اس نے دودھ چھوڑنا نہیں اور میں بھوکا رہ جاؤں گا۔ خیر اُس نے کچھ دودھ پیا اور پھر چھوڑ دیا۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ شکر ہے کچھ تو دودھ بچا ہے۔ مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دودھ دینے کی بجائے ایک دوسرے شخص کو پیالہ دیا کہ اب تم پیو۔ جب وہ بھی سیر ہو کر پی چکا تو میں نے کہا اب تو میری باری آئے گی اور میں اِس بات کا منتظر تھا کہ اب پیالہ مجھے دیا جائیگا۔ مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس سے پیالہ لے کر ایک اور شخص کو دیدیا اور میں نے سمجھا کہ بس اب خیر نہیں، اب تو دودھ کا بچنا بہت ہی مشکل ہے مگر اُس کے پینے کے بعد بھی دودھ بچ رہا۔ اِس کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اَور کو پیالہ دے دیا پھر اس کے بعد ایک اور کو دیدیا۔ اسی طرح چھ آدمی جو میرے ساتھ آئے تھے سب کو باری باری دیا اور آخر میں مجھے دیا اور فرمایا ابو ہریرہ! اب تم دودھ پیؤ۔

(میں ضمناً یہ ذکر کر دینا بھی مناسب سمجھتا ہوں کہ اس قسم کے معجزات کوئی خیالی باتیں نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء وصلحاء کو ایسے نشانات بھی دیتا ہے تا کہ ماننے والے اپنے یقین اور ایمان میں ترقی کریں مگر یہ نشانات صرف مؤمنوں کے سامنے ظاہر ہوتے ہیں تا کہ ایمان میں غیب کا پہلو قائم رہے) غرض حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں میں نے پیالہ لیا اور دودھ پینا شروع کر دیا اور اِس قدر پیا اِس قدر پیا کہ میری طبیعت بالکل سیر ہو گئی اور میں نے پیالہ رکھدیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابو ہریرہ! اور پیؤ۔ میں نے پھر کچھ دودھ پیا اور

پیالہ رکھ دیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابوہریرہ! اور پیؤ۔ میں نے اِس پر پھر دودھ پینا شروع کر دیا یہاں تک کہ مجھے یوں محسوس ہؤا کہ دودھ کی تراوت میرے ناخنوں تک پہنچ گئی ہے، آخر میں نے کہا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! اب تو بالکل نہیں پیا جاتا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے اور آپ نے پیالہ لے کر بقیہ دودھ خود پی لیا۔ [۴۳]

غرض صحابہؓ کی قربانی کا یہ حال تھا کہ وہ بعض دفعہ فاقوں پر فاقے کرتے مگر مسجد میں بیٹھے رہتے تا کہ ایسا نہ ہو کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کوئی بات فرمائیں اور وہ اسے سننے اور لوگوں تک پہنچانے سے محروم رہ جائیں۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ اُنہیں ہمیشہ فاقے آتے تھے کیونکہ مسلمان انہیں کِھلاتے بھی رہتے تھے اور بعض صحابہ کے گھروں سے تو انہیں باری باری کھانا آتا تھا البتہ کبھی کبھی انہیں فاقہ بھی برداشت کرنا پڑتا تھا۔ ایک صحابی بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت ہر جمعرات یا جمعہ کو انہیں چقندر پکا کر بھیجتی تھی اسی طرح کسی دن کوئی صحابی کھانا بھجوا دیتا اور کسی دن کوئی۔ جب وہ عورت فوت ہوگئی تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اِس کا علم نہ ہؤا۔ چند دن کے بعد آپؐ نے دریافت فرمایا کہ فلاں عورت کئی دنوں سے دیکھی نہیں۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! وہ تو فوت ہوگئی ہے۔ آپ نے فرمایا تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں؟ وہ تو اصحابُ الصفہ کو چقندر کِھلایا کرتی تھی اگر تم مجھے بتاتے تو مَیں خود اُس کا جنازہ پڑھاتا۔ [۴۴]

غرض صحابہؓ نے وہ سب کام کر کے دکھائے جو مسجد سے مقصود ہوتے ہیں وہ عبادت کے محافظ تھے، وہ عابدوں کے جمع کرنے والے تھے، وہ شر سے بچانے والے تھے، وہ امن کو قائم کرنے والے تھے، وہ امامت کو زندہ رکھنے والے تھے وہ مسافروں کے لئے ملجاء، وہ متوطنوں کے لئے مأوٰی، وہ واقفینِ زندگی کے لئے جائے پناہ تھے۔ ان کے مقابل پر یہ شاہی مسجد اور مکہ مسجد اور جامع مسجد اور موتی مسجد بھلا کیا حقیقت رکھتی ہیں۔ اُس روحانی مسجد نے ایک گھنٹہ میں جو ذکرِ الٰہی کا نمونہ دکھایا وہ اِن مساجد میں صدیوں میں بھی ظاہر نہ ہؤا۔ مگر افسوس کہ لوگ ان پتھر اور اینٹ کی مسجدوں کو دیکھتے اور ان کے بنانے والوں کی ہمت پر واہ واہ کرتے ہیں، لیکن قرآن، حدیث اور تاریخ کے صفحات پر سے اُس عظیم الشان مسجد کو نہیں دیکھتے جس کا بنانے والا دنیا کا سب سے بڑا انجینئر محمد نامی تھا (صلی اللہ علیہ وسلم) اور جس مسجد کی بناء سرخ و سفید پتھروں سے نہیں بلکہ مقدس سینوں میں لٹکے ہوئے پاکیزہ موتیوں سے تھی۔ یہی وہ مسجد ہے جس کو دیکھ کر ہر عقلمند اور شریف انسان جس کے اندر جذباتِ شکر اور احسان مندی پائے جاتے ہوں بے اختیار

کہہ اُٹھتا ہے اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَ عَلٰی آلِ اِبْرٰھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَ عَلٰی آلِ اِبْرٰھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

(۵) مادی قلعے کے مقابلہ میں قرآنی قلعہ

ایک بات میں نے یہ بیان کی تھی کہ میں نے اِس سفر میں کئی قلعے دیکھے چنانچہ گولکنڈہ کا قلعہ دیکھا، فتح پور سیکری کا قلعہ دیکھا، اسی طرح دہلی کے کئی قلعے دیکھے اور میں نے اپنے دل میں کہا کہ:-

(۱) ان قلعوں کے ذریعہ سے کیسے کیسے حفاظت کے سامان پیدا کئے گئے ہیں۔

(۲) اور پھر ساتھ ہی میں نے اپنے دل میں کہا کہ کس طرح یہ حفاظت کے سامان خود مٹ گئے ہیں اور اِن کو بنانے والا اب کوئی نہیں کیونکہ ان حکومتوں کا نام لیوا کوئی نہیں رہا، بلکہ اب تو بہت سے قلعوں میں جانور آزادانہ پھرتے ہیں اور گوبر سے ان کے صحن اَٹے ہوئے ہیں۔ بہت سے قلعوں میں گوجروں نے گھر بنا رکھے ہیں کیونکہ انہیں شہر کے باہر مکان چاہئیں اور یہ قلعے ان کے کام خوب آتے ہیں۔ کئی قلعے جو کسی حد تک محفوظ ہیں اب ان حکومتوں کے دشمنوں کے ہاتھوں میں ہیں جنھوں نے وہ قلعے بنائے تھے۔ ان بادشاہوں کی اولاد کو تو ان قلعوں میں جانے کی اجازت نہیں، لیکن ان کے دشمن ان میں اکڑتے پھرتے ہیں اور اپنی حکومت کے گھمنڈ میں ان کی گردنیں لقّا کبوتروں کی طرح اینٹھی ہوئی ہیں۔ دلّی کا قلعہ جس میں داخل ہوتے ہوئے ہندو راجے بھی سات سات دفعہ جُھک کر سلام کرتے تھے اب بقّالوں اور بنیوں کے قبضہ میں ہے اس سے پہلے سمندر پار کے انگریزوں کے قبضہ میں تھا اور اس کے بنانے والے مغل بادشاہوں کے کئی شاہزادے اس کے سامنے مشکیزوں سے پانی پلا کر پیسے کماتے ہیں اور بے چھنے آٹے کی روٹی سے اپنے بال بچوں کا پیٹ پالتے ہیں۔ ان میں اکڑ کر چلنے والے بادشاہوں کی روحیں آج اپنی اولادوں کی اس بیکسی کو دیکھ کر کس طرح بے تاب ہو رہی ہونگی۔

اِن قلعوں کو بنانے والوں نے تو یہ قلعے اِس لئے بنائے تھے کہ یہ ہماری حفاظت کریں گے مگر یہ قلعے بھی مٹ گئے اور اِن کو بنانے والے بھی کوئی نہ رہے پس میں نے سوچا کہ ان

قلعوں کو ان بادشاہوں نے کیوں بنایا تھا؟ اور پھر خود ہی میرے دل نے اِس سوال کا یہ جواب دیا کہ اس لئے کہ دشمن اُن کے ملک پر حملہ نہ کر سکے اور ان کی رعایا دشمنوں کے حملوں سے محفوظ رہے مگر میں نے دیکھا کہ باوجود اِن قلعوں کے دشمن غالب آتا رہا اور ان قلعوں کی دیواروں کو توڑ کر اندر داخل ہوتا رہا۔ گولکنڈہ کا قلعہ بڑی اعلیٰ جگہ پر ہے آخر اورنگ زیب نے اسے فتح کر ہی لیا۔ اسی طرح دہلی اور آگرہ کے قلعے مُغلوں نے بنائے اور انگریزوں نے ان کو توڑ دیا اور اب وہ ہندوؤں کے ہاتھ میں ہیں۔ پس میں نے سوچا کہ کیا کوئی ایسا قلعہ بھی ہے جسے عالَمِ روحانی میں قلعہ کا مقام دیا گیا ہو اور جو اِن شاندار قلعوں سے زیادہ مضبوط اور پائدار ہونے کا مدعی ہو۔

قلعے کیوں بنائے جاتے ہیں؟

مگر میں نے اس تلاش سے پہلے یہ غور کرنا ضروری سمجھا کہ قلعے کیوں بنائے جاتے ہیں اور میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ تین باتوں کے لئے:-

اوّل ۔ قلعے اس لئے بنائے جاتے ہیں تا کہ مُلک کے لئے وہ نقطۂ مرکزی ہو جائیں اور فوج وہاں جمع ہو کر اپنے نظام کو مضبوط کر سکے اور اطمینان سے مُلکی ضرورتوں کے متعلق غور کر سکے۔

دوم ۔ قلعے اس لئے بنائے جاتے ہیں تا کہ غیر پسندیدہ عناصر اندر نہ آسکیں اور جس کو روکنا چاہیں اس قلعہ کی فصیلیں روک دیں اور اندر امن رہے۔

سوم ۔ قلعے اس لئے بنائے جاتے ہیں تا کہ اِرد گِرد کے علاقہ کی حفاظت کر کے امن قائم رکھیں چنانچہ قلعوں پر توپیں لگا دی جاتی ہیں یا پُرانے زمانہ میں منجنیقیں لگا دی جاتی تھیں اور ان سے صرف قلعہ ہی کی نہیں بلکہ اِرد گِرد کے علاقہ کی بھی حفاظت ہوتی تھی مگر یہ سب تدبیریں یا تو ناقص ثابت ہوتیں یا پھر ایک وقت تک کام دیتی تھیں۔ اس کے بعد یہ قلعے صرف اپنے بنانے والوں کی یاد تازہ کر کے زائرین کے لئے لاچار آنسو بہانے کا موجب ہوتے تھے۔ ان قلعوں کو دیکھ کر کہ آیا اِن عبرت پیدا کرنے والے قلعوں کے مقابلہ میں کوئی خدائی قلعہ بھی ہے جو ان اغراض کو بھی پورا کرتا ہو جن کے لئے یہ قلعے بنائے جاتے تھے اور پھر امتدادِ زمانہ سے پیدا ہونے والی بلاؤں سے بھی محفوظ ہو؟ غور کرنے پر مجھے معلوم ہؤا کہ ایک روحانی قلعہ کا ذکر قرآن میں ہے جسے خدا تعالیٰ نے انہی اغراض کے لئے بنایا جن کے لئے قلعے بنائے جاتے تھے۔ اور اسے ایسا مضبوط بنایا کہ کوئی غنیم اسے فتح نہیں کر سکتا اور جو سب دوسرے قلعوں پر غالب آجاتا ہے اور قیامت تک اسی طرح کھڑا رہے گا جس طرح کہ وہ ابتداء میں تھا اور کبھی بھی

کسی دشمن کے ہاتھ میں اس طرح نہیں آئے گا کہ اپنے بنانے والے کی غرض کو پورا نہ کر سکے۔

بیت اللہ کی اہم اغراض

قرآن کریم میں اس قلعہ کا ذکر ان الفاظ میں آتا ہے وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَ اَمْناً وَ اتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهِيْمَ مُصَلًّى وَ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِىَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ۝ وَاِذْقَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗٓ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝[۷۵]

اُس وقت کو یاد کرو جب ہم نے بیت اللہ کو مَثَابَہ بنایا۔ مَثَابَہ کے معنے ہیں مَجْتَمَعُ النَّاسِ[۷۶] یعنی لوگوں کے لئے جمع ہونے کا مقام۔ اسی طرح مَثَابَہ کے ایک معنی لغت میں کنویں کی منڈیر کے بھی آتے ہیں۔[۷۷] گویا جس طرح قلعہ اس لئے بنایا جاتا ہے تاکہ فوج وہاں جمع ہو کر اپنے نظام کو مضبوط کر سکے اسی طرح خدا نے بیت اللہ کو لوگوں کے جمع ہونے کا مقام بنایا۔ اور جس طرح قلعہ کی یہ غرض ہوتی ہے کہ ناپسندیدہ عناصر اندر نہ آ سکیں اسی طرح بیت اللہ کو خدا نے منڈیر بنایا تاکہ غیر پسندیدہ عناصر اس سے دُور رہیں۔ پھر قلعہ کی تیسری غرض اِرد گرد کے علاقہ کی حفاظت کر کے امن قائم رکھنا ہوتی ہے یہ غرض بھی بیت اللہ میں پائی جاتی ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے اَمْنًا کہہ کر اس امر کی طرف اشارہ کیا اور بتایا کہ اسے قیامِ امن کے لئے بنایا گیا ہے گویا بیت اللہ نظام کے قیام کا مرکز بھی ہے، غیر پسندیدہ عناصر کے دُور رکھنے کا ذریعہ بھی ہے اور دنیا کے امن کے قیام کا سبب بھی ہے۔

پھر میں نے اور غور کیا تو مجھے قرآن کریم میں ایک یہ آیت نظر آئی کہ جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيَامًا لِّلنَّاسِ[۷۸]

کہ ہم نے کعبہ کو جو خدا تعالیٰ کا بنایا ہؤا محفوظ گھر ہے قِیَامًا لِّلنَّاسِ بنایا ہے۔ قیام کے معنی نظام یا ستون کے ہوتے ہیں[۷۹] اور ان تمام چیزوں کے لئے یہ لفظ بولا جاتا ہے جن کے ذریعہ سے کوئی چیز اپنی اصل حالت پر رہے اور قیام کے معنے خبر گیر اور نگران اور انتظام کرنے کے بھی ہوتے ہیں[۸۰] پس قِیَامًا لِّلنَّاسِ کے معنے ہوئے کہ کعبہ انسانوں کے نظام کو درست رکھنے کے لئے اور ان کی محبت کو قائم رکھنے کے لئے اور ان کی حالت کو درست اور ٹھیک رکھنے کے لئے اور ان کی خبر گیری اور نگرانی کے لئے بنایا گیا ہے۔ جب میں نے یہ آیت پڑھی تو میں

نے کہا کہ یہ وہ چیز ہے جو قلعہ کے مشابہہ ہے کیونکہ اس کی غرض یہ بتائی گئی ہے کہ:-

(۱) لوگ اس میں جمع ہوں اور تمدنِ انسانی ترقی کرے۔

(۲) وہ بنی نوع انسان کو بیرونی ناجائز دخل اندازی سے محفوظ رکھے۔

(۳) دنیا کے امن کا ذریعہ ہو اور اس کی توپوں سے اِرد گرد کے علاقوں کی بھی حفاظت کی جائے۔

(۴) اس کے ذریعہ سے انسانی تمدن کی چھت کو گرنے سے بچایا جائے۔

(۵) اس کے ذریعہ سے انسانی صحیح نظام کو درست رکھا جائے۔

(۶) اس کے ذریعہ سے انسان کی خبر گیری کی جائے اور مصیبتوں سے اسے بچایا جائے۔

اعلیٰ درجہ کے قلعوں کی گیارہ خصوصیات

پیشتر اس کے کہ میں یہ دیکھتا کہ آیا یہ کام اس قلعہ کے پورے ہوئے ہیں یا نہیں؟ میں نے کہا آؤ مَیں مقابلہ کروں کہ لوگ قلعے کِن جگہوں پر بناتے ہیں اور کِن امور کو اُن کے بنانے میں مدنظر رکھتے ہیں تا کہ میں فیصلہ کرسکوں کہ آیا یہ قلعہ ان امور کو مدنظر رکھ کر بنایا گیا ہے اور ظاہری سامانوں کے لحاظ سے قلعہ کی اغراض کو پورا کرنے کی قابلیت رکھتا ہے یا نہیں؟ جب میں نے سوچا اور دنیا کے مشہور قلعوں کی تاریخ پر غور کیا تو مجھے معلوم ہؤا کہ اچھے قلعوں کی تعمیر میں مندرجۂ ذیل امور کا خیال رکھا جاتا ہے۔

(۱) قلعے ایسی جگہ بنائے جاتے ہیں جہاں پانی کا بافراغت انتظام ہو تا کہ اگر کبھی محاصرہ ہو جائے تو لوگ پیاسے نہ مر جائیں۔

(۲) دوسری بات میں نے یہ دیکھی کہ جہاں نہر، دریا یا سمندر ہو وہیں قلعے بنائے جاتے ہیں چنانچہ فتح پور سیکری کا قلعہ موسیٰ ندی کے پاس ہے۔ اسی طرح دلّی کا قلعہ جمنا کے کنارے واقعہ ہے پس قلعے بِالعموم یا تو سمندر کے کنارے بنائے جاتے ہیں یا دریاؤں اور نہروں کے پاس بنائے جاتے ہیں۔ اس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ ایک تو نہانے دھونے کی ضرورت بآسانی پوری ہوسکتی ہے۔ دوسرے جانوروں کے لئے بھی بافراغت پانی میسّر آ سکتا ہے۔ تیسرا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ ایسی صورت میں محاصرہ مکمل نہیں ہوسکتا کیونکہ کشتیوں کے ذریعہ انسان باہر نکل سکتا ہے اسی طرح رسد وغیرہ قلعہ والوں کو دریا کے رستے پہنچ سکتی ہے۔ پھر اس ذریعہ سے آگ بُجھائی جاسکتی ہے۔ خندقیں پُر کی جاسکتی ہیں اور ذرائع رَسل و رسائل کُھلے رہ سکتے ہیں۔

(۳) تیسری بات میں نے یہ دیکھی کہ لوگ قلعہ بناتے وقت اس امر کا خیال رکھتے ہیں کہ

علاقہ ایسا ہو کہ اُس میں خوراک کے ذخائر کافی ہوں اور کافی مقدار میں غلّہ پیدا ہو سکے تا محصور ہونے کی صورت میں فوج خوراک کے ذخائر جمع کر سکے۔

(۴) چوتھے قلعہ بالعموم ایسی جگہ بنایا جاتا ہے جس کے اِرد گِرد یا جس کے پاس جنگل ہوں جہاں سے ایندھن کافی جمع ہو سکے اور دشمن پر حملہ کرنے میں سہولت ہو چنانچہ گوریلا واریا جنگِ چپاول جنگلوں میں بڑی آسانی سے کی جاسکتی ہے اسی لئے عام طور پر قلعے جنگلوں کے قریب بنائے جاتے ہیں تا کہ تھوڑی فوج بھی بڑے غنیموں کو دِق کر سکے۔

(۵) پانچویں اگر پہاڑی علاقہ ہو تو قلعہ ہمیشہ اونچی جگہ پر بنایا جاتا ہے تا کہ سب طرف نگاہ پڑ سکے اور دشمن تو حملہ نہ کر سکے مگر خود آسانی سے حملہ کیا جا سکے۔

(۶) چھٹے قلعہ کی تعمیر نہایت اعلیٰ درجہ کے چونا اور پتھروں سے کی جاتی ہے تا کہ اگر دشمن اس پر گولے برسائے یا کسی اور طرح حملہ کرے تو اس کی دیواروں کو ضُعف نہ پہنچے۔

(۷) ساتویں قلعہ کی تعمیر اس طرح کی جاتی ہے کہ وہ شہر کی حفاظت کر سکے اور اس کی فصیلیں شہر کے گِرد پھیلتی جائیں۔

(۸) آٹھویں اس کی طرف آنے والے راستے ایسے رکھے جاتے ہیں جن کو ضرورت پر آسانی سے بند کیا جاسکتا ہو مثلاً تنگ وادیوں میں سے راستے گزریں تا کہ چند آدمی ہی دشمن کو قلعہ سے دُور رکھ سکیں۔

(۹) نویں قلعوں میں یہ احتیاط کی جاتی ہے کہ اس کے گِرداگِرد کو خوب مضبوط کیا جائے اور جنگی چوکیوں کے ذریعہ سے اُس کی حفاظت کی جائے۔

(۱۰) دسویں قلعہ کے اندر رہنے والوں کو بہادر اور جنگجو بنایا جاتا ہے تا کہ وہ دشمن سے خوب لڑ سکیں۔

(۱۱) گیارھویں اس میں حملہ کرنے، توپوں سے بم پھینکنے یا منجنیقوں سے پتھراؤ کرنے کے لئے باہر کی طرف سوراخ ہوتے ہیں اور اس میں باہر کی طرف توپیں یا منجنیقیں رکھی ہوئی ہوتی ہیں۔

یہ وہ گیارہ خصوصیتیں ہیں جو عام طور پر قلعوں کی تعمیر میں بڑے بڑے انجینئر مدنظر رکھا کرتے ہیں۔

یہ روحانی قلعہ ایسی جگہ پر بنایا گیا جہاں پانی کم یاب تھا

اب میں نے کہا آؤ! یہ قلعہ جو قرآن نے پیش کیا

ہے اس پر غور کر کے دیکھیں کہ یہ باتیں اس میں پائی جاتی ہیں یا نہیں؟ اور میں نے ایک ایک کر کے ان امور کی اس روحانی اصول پر تیار شُدہ قلعہ کے متعلق پڑتال کی اور میری حیرت کی کوئی حد نہ رہی جب میں نے دیکھا کہ:-

(۱) اس قلعہ کے لئے پانی کا کوئی انتظام نہ تھا صرف ایک چشمہ اس کے قریب تھا اور وہ بھی کھاری اور پھر اس کا پانی بھی اتنا کم تھا کہ لوگوں کی ضروریات کے لئے کسی صورت میں کافی نہیں تھا۔ ملکہ زبیدہ نے بعد میں وہاں ایک نہر بنوا دی تھی جسے نہرِ زبیدہ کہتے ہیں مگر وہ نہر ایسی ہی ہے جیسے کوئی نالا ہوتا ہے۔ غرباء عام طور پر زمزم کا پانی استعمال کرتے ہیں اور باقی لوگ بارش ہوتی ہے تو تالابوں میں پانی جمع کر لیتے ہیں اور اسے استعمال کرتے رہتے ہیں۔ غرض وہاں پانی کی اتنی کمی ہے کہ دنیا کا کوئی سمجھدار انجینئر وہاں قلعہ نہیں بنا سکتا تھا۔

یہ روحانی قلعہ دریا اور سمندر سے دُور بنایا گیا

(۲) دوسری بات میں نے یہ دیکھی کہ آیا وہ کسی نہر یا دریا یا سمندر کے کنارے واقع ہے؟ تو مجھے معلوم ہؤا کہ نہ وہاں کوئی دریا ہے نہ سمندر، گویا اس بارہ میں بھی خانہ خالی تھا اور نہر یا دریا کا نام ونشان منزلوں تک نہ تھا۔ وہ جسے لوگ نہرِ زبیدہ کہتے ہیں وہ صرف نالی ہے اس سے زیادہ اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ رہی بندرگاہ سو وہ سَو ڈیڑھ سَو میل دور تھی اور اب نئی بندرگاہ جدّہ بھی پچاس میل کے قریب دُور ہے گویا سمندر بھی دُور ہے اور اندر بھی کوئی نہر نہیں کہ لوگ کثرت سے فوجی ضروریات کے لئے اونٹ اور گھوڑے وغیرہ رکھ سکیں۔ بندرگاہ بے شک موجود تھی مگر اول تو وہ اتنی دور تھی کہ اس سے کوئی فائدہ اُٹھایا نہیں جاسکتا تھا دوسرے اگر ممکن بھی ہوتا تو وہاں کے باشندوں کی یہ حالت تھی کہ ان کا سمندر کے نام سے دَم نکلتا تھا۔

یہ روحانی قلعہ ایک بنجر علاقہ میں بنایا گیا

(۳) تیسری بات یہ دیکھی جاتی ہے کہ علاقہ زرخیز ہو تاکہ خورونوش کا سامان پیدا کیا جا سکے اور بوقتِ ضرورت جمع کیا جا سکے۔ مگر میں نے دیکھا کہ اِس قلعہ کو جو بنانے والا ہے وہ خود کہتا ہے کہ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ[۸۱] یہ وادی غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ ہے اور اس میں ایک دانہ تک پیدا نہیں ہوتا نہ گیہوں، نہ باجرا، نہ گندم، نہ چنا۔ بلکہ ایک شخص نے وہاں باغ لگانا چاہا تو اس کے لئے وہ دوسرے مُلکوں سے مٹی منگواتا رہا اور آخر بڑی مشکل سے اس نے چند درخت لگائے اور وہی چند درخت اب باغ کہلاتے ہیں۔ میں نے خود اس قلعہ کو جا کر

دیکھا ہے قریب سے قریب سبزی طائف میں ہے اور طائف وہاں سے تین منزل کے فاصلہ پر ہے باقی چاروں طرف بے آب و گیاہ جنگل کے سِوا کچھ نہیں، نہ غلّہ پیدا کیا جا سکتا ہے اور نہ اسے جمع کرنے کے کوئی سامان ہیں۔

اِس قلعہ کے اِرد گِرد کوئی جنگل نہیں تھا

(۴) چوتھے یہ امر مدنظر رکھا جاتا ہے کہ گِرد و پیش جنگل ہو تا کہ ایندھن مل سکے اور دشمن پر حملہ میں آسانی ہو مگر میں نے اس قلعہ کو دیکھا کہ مِیلوں مِیل تک اِس کے پاس جنگل چھوڑ درخت تک بھی کوئی نہیں۔

یہ روحانی قلعہ اونچے مقام کی بجائے نشیب مقام میں بنایا گیا

(۵) پانچویں اگر پہاڑی پاس ہو تو قلعہ اونچی جگہ پر بنایا جاتا ہے مگر یہ قلعہ ایسا ہے کہ اس کے پاس "حِرا" اور "ثَور" دو پہاڑیاں ہیں، لیکن یہ قلعہ نشیب میں بنایا گیا ہے اور اس طرح دشمن پہاڑوں پر قبضہ کر کے اسے شدید نقصان پہنچا سکتا ہے۔

اس قلعہ کی تعمیر میں معمولی گارا اور پتھر استعمال کئے گئے

(۶) چھٹے یہ امر مدنظر رکھا جاتا ہے کہ قلعہ کی تعمیر عمدہ مصالحہ سے ہو مگر اس قلعہ کی تعمیر نہایت معمولی مصالحہ اور گارے وغیرہ سے ہے۔

اِس قلعہ کے اِرد گِرد کوئی فصیل نہیں

(۷) ساتویں یہ امر مدنظر رکھا جاتا ہے کہ قلعہ کی تعمیر اس طرح ہو کہ شہر کی حفاظت ہو سکے اور فصیلیں دُور تک پھیلی ہوئی ہوں مگر یہ عجیب قلعہ ہے کہ شہر اِرد گِرد ہے اور قلعہ شہر کے بیچوں بیچ ہے اور فصیل کا نام و نشان نہیں جس کی وجہ سے شہر کی حفاظت میں وہ کوئی مدد نہیں دے سکتا۔

اس قلعہ کے چاروں طرف کُھلے راستے پائے جاتے ہیں

(۸) آٹھویں بات یہ مدنظر رکھی جاتی ہے کہ اس کی طرف آنیوالے راستے ایسے ہوں کہ حسبِ ضرورت بند کئے جاسکیں مثلاً تنگ وادیوں میں سے گزریں مگر اس قلعہ کے راستے نہایت کُھلے اور بے روک ہیں۔ قرآن کریم خود فرماتا ہے عَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّأْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ [۸۲]

کہ اس قلعہ کی طرف لوگ دَوڑے چلے آتے ہیں اور انہیں آنے میں کسی قسم کی روک نہیں۔

کُھلے راستے اور وہ بھی ناہموار اِس کے چاروں طرف موجود ہیں۔

اس قلعہ کے گرد کوئی جنگی چوکیاں نہیں

(۹) نویں بات یہ ہے کہ قلعہ کے گرد اگرد کو جنگی چوکیوں سے محفوظ کیا جاتا ہے تا کہ قلعہ سے دُور دشمن کے حملہ کو روکا جا سکے مگر یہ قلعہ عجیب ہے کہ اس کے گرد کئی کئی میل کے دائرہ میں اسلحہ لیکر پھرنے سے روک دیا گیا ہے اور حُکم دیدیا گیا ہے کہ کوئی شخص اس کے اِرد گرد چار چار پانچ پانچ میل تک کوئی ہتھیار لے کر نہ چلے۔

اس قلعہ میں رہنے والوں کو شکار تک کی ممانعت

(۱۰) دسویں قلعہ کے اندر رہنے والوں کو جنگجو بنایا جاتا ہے مگر اس کے اندر رہنے والوں کو حُکم ہے کہ کوئی شکار نہ ماریں سوائے سانپ، بچھو، چیل اور چوہے کے جن کا مارنا ضرورتاً ہوتا ہے نہ کہ جنگجوئی پیدا کرنے کے لئے۔

دشمن کے حملہ کو روکنے کیلئے توپوں اور منجنیقوں کی بجائے نمازوں اور دعاؤں سے کام لینے کا ارشاد

(۱۱) گیارھویں بات میں نے یہ بتائی تھی کہ قلعہ کے اندر حملہ کو روکنے کے لئے باہر کی طرف منہ کرکے منجنیقیں یا توپیں رکھی ہوتی ہیں مگر اِس قلعہ میں مَثَابَہ اور امن کا ذریعہ یہ بتایا ہے کہ فَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهِيْمَ مُصَلًّى یعنی جب دشمن حملہ کرے تو مَثَابَہ اور امن کے قیام کے لئے دشمن کی طرف پیٹھ کر کے اور کعبہ کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو جاؤ۔ غرض قلعوں کو مضبوط بنانے یا دیر تک محاصروں کی برداشت کر سکنے کے لئے جس قدر سامانوں کی ضرورت ہوتی ہے نہ صرف یہ کہ اس میں پائے نہیں جاتے بلکہ اکثر امور میں ان کے برعکس حالات پائے جاتے ہیں جو قلعوں کو اُجاڑنے کا موجب ہوتے ہیں مثلاً بے پانی، بے غذا، نہروں سے دُور، جنگلوں سے پَرے، فصیلوں اور چوکیوں کے بغیر کوئی قلعہ قلعہ نہیں کہلا سکتا مگر یہ قلعہ ایسا تھا کہ اس میں مجھے ان سامانوں میں سے کوئی سامان بھی دکھائی نہ دیا حتّٰی کہ اس قلعہ کے اِرد گرد اسلحہ لے کر پھرنے سے بھی روک دیا گیا تھا۔

یہ قلعہ کب بنایا گیا؟

اب میں نے سوچا کہ یہ قلعہ ہے کب کا؟ تو مجھے معلوم ہؤا کہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بھی پہلے کا ہے کیونکہ خود حضرت کو الہام ہؤا کہ وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ[۸۳] اس پُرانے گھر کا لوگ آ کر طواف کیا کریں

جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ قلعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بھی پہلے کا ہے۔ اسی طرح آتا ہے
اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبَارَکًا وَّ ھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ فِیْہِ اٰیَاتٌ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰھِیْمَ وَمَنْ دَخَلَہٗ کَانَ اٰمِنًا [۸۴]
سب سے پہلا گھر جو لوگوں کے فائدہ اور ان کی حفاظت کے لئے بنایا گیا تھا وہ ہے جو مکہ میں ہے اِس میں ہر قسم کی برکتیں جمع کر دی گئی ہیں اور تمام جہانوں کے لوگوں کے لئے اس میں ہدایت کے سامان اکٹھے کر دیئے گئے ہیں اس کے ساتھ بڑے بڑے اور روزِ روشن کی طرح واضح نشان وابستہ کر دیئے گئے ہیں وہ آخری دَور میں ابراہیم کا مقام بنایا گیا اور فیصلہ کیا گیا کہ جو اِس میں داخل ہوا اُسے امن دیا جائے گا۔

حدیث میں آتا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام ہاجرہؓ اور اسمٰعیلؑ کو مکہ کے مقام پر چھوڑ کر واپس لَوٹے تو حضرت ہاجرہ کو شک گزرا کہ ہمیں چھوڑ چلے ہیں اور وہ ان کے پیچھے پیچھے چلیں اور اس بارہ میں اُن سے سوالات کرنے شروع کر دیئے۔ مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام خاموش رہے اور رقّت کے غلبہ کی وجہ سے اُن کے منہ سے کوئی بات نہ نکل سکی۔ آخر حضرت ہاجرہ نے کہا یَااِبْرَاھِیْمُ! اَیْنَ تَذْھَبُ وَ تَتْرُکُنَا فِیْ ھٰذَا الْوَادِی الَّذِیْ لَیْسَ فِیْہِ اَنِیْسٌ وَلَا شَیْءٌ۔ اے ابراہیم! آپ کہاں جا رہے ہیں اور ہم کو ایک ایسی وادی میں چھوڑ رہے ہیں جس میں نہ آدمی ہے اور نہ کھانے کی کوئی چیز؟ فَقَالَتْ لَہٗ ذٰلِکَ مِرَارًا وَّ جَعَلَ لَا یَلْتَفِتُ اِلَیْھَا حضرت ہاجرہ نے یہ بات بار بار دُہرائی مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام صدمہ کی وجہ سے اس کا جواب نہیں دیتے تھے۔ جب حضرت ہاجرہ نے دیکھا کہ یہ کسی طرح بولتے ہی نہیں تو انہوں نے کہا اَاَللّٰہُ اَمَرَکَ بِھٰذَا؟ اچھا اتنا تو بتا دو کہ کیا خدا نے آپ کو اس بات کا حکم دیا ہے؟ قَالَ نَعَمْ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کے جواب میں کہا کہ ہاں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ جواب حضرت ہاجرہؓ نے سُنا تو باوجود اِس بات کے جاننے کے کہ یہاں پانی نہیں، یہاں کھانے کے لئے کوئی چیز نہیں اور یہاں کوئی آدمی نہیں جو ضرورت کے وقت مدد دے سکے، انہوں نے نہایت دلیری سے کہا اِذًا لَّا یُضَیِّعُنَا اگر یہ بات ہے تو پھر خدا ہمیں ضائع نہیں کرے گا آپ بے شک جائیے ثُمَّ رَجَعَتْ اس کے بعد حضرت ہاجرہ واپس لوٹ آئیں فَانْطَلَقَ اِبْرَاھِیْمُ اور حضرت ابراہیم واپس چلے گئے حَتّٰی اِذَا کَانَ عِنْدَ الثَّنِیَّۃِ حَیْثُ لَا یَرَوْنَہٗ اِسْتَقْبَلَ بِوَجْہِ الْبَیْتِ یہاں تک

کہ جب موڑ پر پہنچے جہاں سے ان کی بیوی اور بچہ انہیں دیکھ نہ سکتے تھے تو اُن کے جذبات قابو سے باہر ہو گئے۔ انہوں نے اپنا منہ خانہ کعبہ کی طرف کر دیا اور ہاتھ اُٹھا کر یہ دُعا کی: رَبَّنَآ اِنِّیٓ اَسۡکَنۡتُ مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ بِوَادٍ غَیۡرِ ذِیۡ زَرۡعٍ عِنۡدَ بَیۡتِکَ الۡمُحَرَّمِ [۸۵] اے میرے رب! میں اپنی اولاد کو تیرے مقدس گھر کے قریب اس وادی میں چھوڑ کر جا رہا ہوں جس میں کوئی کھیتی نہیں جس میں کوئی چشمہ نہیں، محض اس لئے کہ وہ تیری عبادت کریں۔ پس تُو ہی ان کی حفاظت فرما اور ان کو شرور اور مفاسد سے محفوظ رکھ۔ اس سے معلوم ہؤا کہ یہ قلعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بعثت سے بھی پہلے تعمیر ہو چکا تھا۔

سر ولیم میور کی شہادت

تاریخ بھی اِس کے نہایت قدیم ہونے کی شہادت دیتی ہے چنانچہ سر ولیم میور لائف آف محمد میں لکھتے ہیں کہ مکہ کے مذہب کے بڑے اصولوں کو ایک نہایت ہی قدیم زمانہ کی طرف منسوب کرنا پڑتا ہے گو ہیروڈوٹس [۸۶] نے نام لیکر کعبہ کا ذکر نہیں کیا مگر وہ عربوں کے بڑے دیوتاؤں میں سے ایک دیوتا اِلالات کا ذکر کرتا ہے اور یہ اِس کا ثبوت ہے کہ مکہ کا یہ بڑا بُت اس قدیم زمانہ میں بھی پُوجا جاتا تھا [۸۷] یہ ہیروڈوٹس ایک یونانی مؤرخ تھا جو ۴۸۴ قبل مسیح سے ۴۲۵ قبل مسیح تک ہؤا، گویا حضرت مسیح کے صلیب کے واقعہ سے مدتوں پہلے لاؔت کی شُہرت وغیرہ دُور تک پھیلی ہوئی تھی پھر لکھا ہے کہ ڈایوڈورس سکولس مؤرخ جو مسیحی سنہ سے پچاس سال پہلے گزرا ہے وہ بھی لکھتا ہے کہ عرب کا وہ حصہ جو بحیرۂ احمر کے کِنارے پر ہے اِس میں ایک معبد ہے جس کی عرب بڑی عزت کرتے ہیں [۸۸] پھر لکھتا ہے قدیم تاریخوں سے پتہ نہیں چلتا کہ یہ بنا کب ہے یعنی ایسے قدیم زمانہ کا ہے کہ اِس کے وجود کا تو ذکر آتا ہے مگر اِس کی بناء کا پتہ نہیں چلتا۔

پھر لکھتا ہے کہ بعض تاریخوں سے پتہ چلتا ہے کہ عمالقہ نے اِسے دوبارہ بنایا تھا اور کچھ عرصہ تک ان کے پاس رہا اور تورات سے پتہ چلتا ہے کہ عمالقہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں تباہ ہوئے گویا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ سے بھی پہلے عمالقہ اس پر قابض رہ چکے ہیں اور وہ اس کے بانی نہ تھے یہ گھر ان سے بھی پہلے کا ہے انہوں نے اس کے تقدس پر ایمان لاتے ہوئے اِسے دوبارہ تعمیر کیا تھا خروج باب ۱۲ آیت ۸، ۱۶ اور گنتی باب ۲۴ آیت ۲۰ سے پتہ چلتا ہے کہ عمالقہ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تباہ کیا تھا۔ پس ان سب باتوں سے پتہ لگتا ہے کہ کعبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے کا ہے کیونکہ عمالقہ نے اس کو دوبارہ تعمیر کیا تھا

اور حضرت ابراہیمؑ اور حضرت موسیٰ علیہما السلام میں اڑھائی سَو سال سے چار سَو سال کا فاصلہ ہے۔ اگر عمالقہ کی سَو ڈیڑھ سَو سال کی حکومت بھی فرض کر لی جائے تو بھی اُن کا اسے دوبارہ تعمیر کرنا کئی سَو سال پہلے کے عرصہ پر دلالت کرتا ہے اور اس وقت بھی اس کی تعمیر ثابت نہیں ہوتی بلکہ اس کی مرمت ثابت ہوتی ہے۔

اب میں نے سوچا کہ اس قدر قدیم قلعہ جس کی سارا مُلکِ عرب عزت کرتا تھا اگر اس طرح تمام معلومہ اصول کے خلاف تیار ہؤا تھا تو اسے یقیناً تباہ ہو جانا چاہئے تھا اور اگر وہ تباہ نہیں ہؤا تو پھر یقیناً وہ ایسی عجیب قسم کا قلعہ ہے کہ دنیا میں اس کی نظیر نہیں ملتی کہ بغیر ظاہری سامانوں کے وہ قائم ہے اور اپنا کام کر رہا ہے۔

قدیم اقوام کے متواتر حملوں میں اس روحانی قلعہ کی سلامتی

تب میں نے غور کیا کہ کیا ان علاقوں کی طرف جہاں یہ قلعہ تھا قدیم زبردست اقوام نے حملے کئے تھے؟ اور میں نے دیکھا کہ سب سے پہلے نینوا والوں نے ایشیائے کوچک سے نکل کر اِدھر حملہ کیا اور شام اور فلسطین کو پامال کرتے ہوئے مصر کی طرف نکل گئے۔ وہ نینوا سے چلتے ہیں اور جنوب مغرب کی طرف آتے ہیں مگر جس وقت اس قلعہ کی سرحد پر پہنچتے ہیں تو آگے بڑھنے کی جرأت نہیں کرتے اُس وقت میں نے سمجھا کہ اس قلعہ کے لئے ضرور کوئی ایسے مخفی سامانِ حفاظت تھے کہ جن کی وجہ سے وہ اِدھر رُخ نہ کر سکے اور وہ مرعوب ہو گئے۔

بابلیوں کی چڑھائی

تب میں نے سوچا کہ کیا اِس کے بعد بھی کوئی دشمن اُٹھا ہے یا نہیں؟ اور میں نے دیکھا کہ ان کے بعد بابلیوں نے انہی علاقوں پر چڑھائی کی۔ وہ عراق کی طرف سے بڑھے اور انہوں نے شام فتح کیا، مصر فتح کیا، مگر وہ بھی اسی راہ پر نکل گئے اور اس قلعہ کی طرف انہوں نے رُخ نہ کیا۔

کیانیوں کی فتوحات

پھر میں نے دیکھا کہ کیانیوں نے ایران سے نکل کر عراق فتح کیا، ایشیائے کوچک فتح کیا، شام فتح کیا، فلسطین، مصر، یونان، رومانیہ اور اوکرین کو مغرب کی طرف فتح کیا اور بلخ، بخارا، سمرقند، افغانستان، بلوچستان اور پنجاب کو مشرق میں فتح کیا، لیکن اس قلعہ کو درمیان سے وہ بھی چھوڑ گئے۔

سکندر رومی کی یلغار

پھر مَیں نے سکندر رومی کو بڑھتے ہوئے دیکھا وہ بجلی کی طرح کُوندا اور یورپ سے نکل کر ایشیائے کوچک وغیرہ کے علاقوں کو فتح کرتے

ہوئے ہندوستان تک بڑھ آیا، لیکن اس قلعہ کو وہ بھی درمیان میں چھوڑ گیا۔

رومی حکومت کا مشرق پر اقتدار

پھر میں نے رومی حکومت کو مشرق کی طرف آتے ہوئے دیکھا اُس نے مصر فتح کیا، طرابلس فتح کیا، ایبے سینیا جو مکہ کے مقابل پر ہے اسے فتح کیا، شام اور فلسطین کو فتح کیا، شمالی عرب سے بعض علاقوں کو فتح کیا اور آخر عراق تک فتح کرتے ہوئے نکل گئے، لیکن درمیان میں اس قلعہ کی طرف انہوں نے بھی رُخ نہ کیا۔

ابرہہ کا بیت اللہ پر حملہ

جب میں نے یہ دیکھا تو میں نے کہا یہ قلعہ واقعہ میں زمانہ کے عجائبات میں سے ہے کہ مشرق سے آندھی اُٹھتی ہے تو وہ اسے چھوڑ جاتی ہے اور مغرب سے طوفان اُٹھتا ہے تو اسے چھوڑ جاتا ہے مگر میں نے کہا کہ ابھی ایک سوال حل طلب ہے اور وہ یہ کہ ممکن ہے اس قلعہ کے جائے وقوع کے لحاظ سے فاتحین کو خیال بھی نہ آیا ہو کہ وہ اسے فتح کریں کیونکہ وہ اس میں کوئی فائدہ نہ دیکھتے تھے۔ اس خیال کے آنے پر میں نے تاریخ پر نگاہ ڈالی اور میں نے دیکھا کہ چھٹی صدی مسیحی میں ایبے سینیا کی حکومت بہت طاقتور ہوگئی تھی اور اُس نے عرب کے بعض علاقوں کو فتح کر لیا تھا اُس کی طرف سے ابرہہ نامی ایک شخص یمن میں گورنر مقرر ہوا اور اس نے عرب میں مسیحیت کی اشاعت کے لئے کوشش شروع کی۔ اور یمن کے دارالحکومت صنعاء میں اس نے ایک بہت بڑا گرجا بنایا اور خوف اور لالچ سے لوگوں کو اس گرجا کی طرف مائل کرنا شروع کر دیا، مگر جب کچھ عرصہ کی کوششوں کے بعد اُس نے اپنے ارادہ میں ناکامی دیکھی اور اُسے محسوس ہوا کہ عرب اُس کی بات ماننے کے لئے تیار نہیں تو اس نے اپنے درباریوں کو بلایا اور ان سے مشورہ کیا کہ کیوں میری کوششیں کامیاب نہیں ہوتیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ مکہ میں ایک گھر ہے، عرب کے لوگ اسے چھوڑ نہیں سکتے۔ جب تک وہ گھر موجود ہے صنعاء کا گرجا آباد نہیں ہوگا۔ پس اگر صنعاء کو آباد کرنا چاہتے ہو تو اُسے جا کر گرا دو۔ چنانچہ ابرہہ نے ۵۶۹ء میں ایک بہت بڑی فوج اور ہاتھی ساتھ لے کر مکہ کا رُخ کیا عرب قبائل نے مقابلہ کیا مگر ایک کے بعد دوسرا شکست کھاتا چلا گیا اور وہ مکہ سے تین دن کے فاصلہ پر مشرق کی طرف طائف تک جا پہنچا اور طائف کے لوگوں سے کہا کہ مکہ تک پہنچنے میں میری مدد کرو۔ طائف والے جو مکہ پر اس لئے حسد کرتے تھے کہ ان کے بُت کی خانہ کعبہ کے آگے کچھ نہ چلتی تھی انہوں نے انعامات کے

لالچ اور مکہ والوں کے بُغض کی وجہ سے ایک راہنما دیا مگر وہ رستہ میں ہی مر گیا۔ آخر ابرہہ کا لشکر مکہ سے چند میل کے فاصلہ پر جا ٹھہرا اور ابرہہ نے ایک وفد بھجوایا اور مکہ والوں کو کہلا بھیجا کہ ہم عیسائی ہیں اور فطرتاً رحمدل ہیں اِس لئے میں تمہیں ہلاک کرنا نہیں چاہتا اور نہ تم سے مجھے کوئی گِلہ ہے۔ میں صرف کعبہ کے پتھر گرا کر واپس چلا جاؤں گا یا خود ہی کعبہ کو گرا دو تو میں آگے نہیں بڑھوں گا اور واپس چلا جاؤنگا۔ مکہ اور حجاز کے لوگوں نے اِس سے انکار کیا اور کہا کہ ہم تمہاری حکومت ماننے کے لئے تیار ہیں، ہم اِس بات کو ماننے کے لئے تیار ہیں کہ تمہیں اپنی آمد کا ایک ثُلث ہر سال دیتے رہیں مگر خدا کے لئے کعبہ کو نہ گراؤ لیکن وہ نہ مانا۔ آخر سفیروں نے اہل مکہ کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ ابرہہ کے پاس وفد لے کر جائیں اور اُسے اپنے خیالات سے آگاہ کریں۔ چنانچہ عبدالمطلب اور بعض دوسرے عمائدینِ مکہ ابرہہ کے پاس گئے۔ ابرہہ، عبدالمطلب کی وجاہت سے بہت متاثر ہوا اور خوش ہو کر کہنے لگا کہ مجھ سے آپ جو بھی خواہش کریں میں اسے ماننے کے لئے تیار ہوں۔ اس سے پہلے ابرہہ کے سپاہیوں نے چھاپہ مار کر عبدالمطلب کے دوسَو اونٹ پکڑ لئے تھے۔ جب ابرہہ نے کچھ مانگنے کو کہا تو انہوں نے اپنے دوسَو اونٹ جو اُس کے سپاہیوں نے پکڑ لئے تھے طلب کئے اور کہا کہ وہ مجھے واپس کر دیئے جائیں۔ اِس پر ابرہہ نے کہا کہ میں تو آپ کو بڑا عقلمند سمجھتا تھا مگر آپ کے اس جواب نے میرے دل پر سے اُن اثرات کو بالکل دھو دیا ہے اور میں نہیں سمجھ سکتا کہ آپ نے کس خیال سے ایسا معمولی مطالبہ کیا۔ اِس وقت حالت یہ ہے کہ کعبہ خطرے میں ہے اور آپ مجھ سے بجائے یہ خواہش کرنے کے کہ میں کعبہ پر حملہ کا ارادہ ترک کر دوں یہ کہہ رہے ہیں کہ میں آپ کے دوسَو اونٹ آپ کو واپس دِلوا دوں۔ اِس سے ظاہر ہے کہ آپ کو اونٹوں کی تو فکر ہے مگر کعبہ کی کوئی فکر نہیں۔ عبدالمطلب کہنے لگے، بات یہ ہے کہ وہ اونٹ میرے ہیں اس لئے مجھے ان کی فکر ہے، لیکن کعبہ خدا کا گھر ہے اس لئے اس کی فکر خدا کو ہوگی مجھے فکر کرنے کی کیا ضرورت ہے اور یہ کہہ کر واپس آ گئے۔ ابرہہ نے نوٹس دیدیا کہ فلاں دن حملہ ہوگا۔ انہوں نے واپس آ کر مکہ والوں کو اطلاع دیدی۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ مقابلہ فضول ہے۔ اس قدیم قلعہ کو خالی کر کے پہاڑوں پر چڑھ جاؤ پاس ہی جبلِ حراء اور جبلِ ثور ہے۔ انہوں نے مکہ کو خالی کر دیا اور تمام لوگ پہاڑوں پر چلے گئے۔

حضرت عبدالمُطّلب کی عاجزانہ دُعا

جب وہ اِس قدیم قلعہ کو چھوڑ رہے تھے تو اُس وقت عبدالمطلب نے اُس حُکم کو یاد کیا کہ جو

فَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهِیْمَ مُصَلًّی میں دیا گیا ہے کہ جب کبھی مصیبت کا وقت آئے تم اِس توپ خانہ یعنی کعبہ کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو جاؤ اور اللہ تعالیٰ سے عاجزی اور زاری سے دعائیں کرو۔ چنانچہ وہ بیت اللہ کے دروازہ پر آئے اور اُس کی زنجیر کو پکڑ کر کہا اے خدا! ہم میں طاقت نہیں کہ دشمن کا مقابلہ کرسکیں یہ تیرا گھر ہے تُو اپنے اِس گھر کی آپ حفاظت کر اور صلیب کو کعبہ پر فتح نہ پانے دے۔ یہ کہا اور سب لوگوں سمیت مکہ کو چھوڑ کر پہاڑوں کو چل دیئے۔

انسانی آنکھوں سے دکھائی نہ دینے والے سپاہیوں کی گولہ باری

اب یہ قلعہ خالی تھا اور اس کی بظاہر کمزور دیواریں ابرہہ کو چیلنج کر رہی تھیں کہ دیکھو! میں اب انسانوں سے خالی ہوں آ اور مقابلہ کر۔ پھر کہا کہ سُن تُو تو یہاں آ کر حملہ کرے گا اور میں یہیں سے تُجھ پر گولہ باری کرتا ہوں۔ چنانچہ کعبہ کی دیواروں سے نہ نظر آنے والے سپاہیوں نے گولہ باری شروع کر دی ابرہہ کے ہاتھی چِھد گئے، اُس کے اونٹ چِھد گئے، اُس کے گھوڑے چِھد گئے، اُس کے سپاہی ان گولیوں کی بے پناہ بوچھاڑ سے زخمی ہو کر گرنے لگ گئے، لشکر کا نظام ٹُوٹ گیا، اُس میں بھاگڑ پڑ گئی اور سر پر پاؤں رکھ کر لشکر واپس لَوٹا۔ ابرہہ بھی یمن پہنچنے سے پہلے پہلے اِن گولیوں سے مارا گیا اور سب لشکر تباہ و برباد ہو گیا اور مسیحی حکومت یمن میں ایسی کمزور ہوگئی کہ اِس علاقہ پر ایرانی حکومت نے قبضہ کرلیا۔ یہ کعبہ سے چلنے والی گولیاں جب وہاں تک پہنچتی تھیں تو چیچک کی صورت میں اُس کے لشکر کو چمٹ جاتیں جس سے دانوں کو کُھجلا کُھجلا کر سپاہی مر جاتے اور پرندے اُن کی بوٹیاں نوچ نوچ کر اُن کو پتھروں پر مار مار کر کھاتے۔ اور جس طرح وہ کعبہ کے پتھر توڑنے آیا تھا اسی طرح کعبہ کے گِرد کے پتھروں نے ان کی بوٹیوں کو توڑا۔ یہ سپاہی جو گولیاں چلا رہے تھے خدا تعالیٰ کے فرشتے تھے اور وہ جو اِن گولیوں کے نشانہ بنے وہ ابرہہ اور اُس کے ساتھی تھے چنانچہ قرآن کریم میں بھی اس کا ذکر آتا ہے وہ فرماتا ہے اَلَمْ تَرَ کَیْفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِاَصْحٰبِ الْفِیْلِ۔ اَلَمْ یَجْعَلْ کَیْدَھُمْ فِیْ تَضْلِیْلٍ۔ وَّ اَرْسَلَ عَلَیْھِمْ طَیْرًا اَبَابِیْلَ۔ تَرْمِیْھِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّیْلٍ۔ فَجَعَلَھُمْ کَعَصْفٍ مَّاْکُوْلٍ [۸۹]

فرماتا ہے دیکھو! ایک شخص تھا جو مکہ پر حملہ کرنے کے لئے آیا اور کہنے لگا کہ میں کعبہ کے پتھروں کو توڑ دونگا ہم نے اُس کی سزا کے لئے پرندوں کو بھیجا اور وہ جو کعبہ کے پتھر توڑنے کے لئے آئے تھے انہی کی بوٹیاں اُن پتھروں پر مار مار کر توڑیں یہ بتانے کے لئے کہ کیا تم نے کعبہ کے

پتھروں کو توڑ لیا؟ عربی زبان میں ب کے معنے عَلٰی کے بھی ہوتے ہیں اور کبھی قلبِ نسبت بھی ہو جاتی ہے جیسے کہتے ہیں ''پرنالہ چلتا ہے'' تو تَرۡمِیۡهِمۡ بِحِجَارَةٍ مِّنۡ سِجِّیۡلٍ کے معنے یہی ہیں کہ وہ ان کی بوٹیاں پتھروں پر مار مار کر کھاتے تھے اور یہی چیلوں وغیرہ کا طریق ہے وہ بوٹی کو پتھر پر مارتی اور پھر کھاتی ہیں۔ تو وہ جو کعبہ کے پتھر توڑنے چلا تھا اس کی بوٹیاں جانوروں نے پتھر پر مار مار کر کھائیں۔

مسیحی اِس روحانی قلعہ کی طرف نہ بڑھ سکے

جب میں نے یہ نظارہ دیکھا تو میں نے کہا کون کہہ سکتا ہے کہ اِس قلعہ پر حملہ نہیں ہؤا۔ حملہ ہؤا اور اس میں یہ قلعہ مضبوطی سے قائم رہا۔ اس کے بعد اور زمانہ گزرا۔ ایک دفعہ مسیحیوں نے فلسطین پر قبضہ کر لیا اور میں نے دیکھا کہ وہ باوجود اس غصہ کے کہ مسلمانوں نے اُن کے معابد پر قبضہ کیا ہے اس قلعہ کی طرف نہ بڑھ سکے۔

ہلاکو خاں بھی اِس قلعہ کو کوئی گزند نہ پہنچا سکا

اور ایک دفعہ ہلاکو خاں نے بغداد اور اسلامی ممالک کو تباہ کیا مگر اس قلعہ کو وہ بھی کوئی گزند نہ پہنچا سکا۔ پھر جنگِ عظیم کا وقت آیا اور تُرک جن کے قبضہ میں یہ قلعہ تھا وہ فاتح اقوام کے خلاف کھڑے ہوگئے۔ میں نے کہا اب اس قلعہ کے لئے خطرہ ہے مگر تب بھی یہ محفوظ رہا اور اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے خاص سامان پیدا کر دیئے پھر یہ نئی جنگ شروع ہوئی تو میں نے دیکھا کہ اب کے پھر دونوں فریق اس کی حفاظت کا اعلان کر رہے تھے۔

غرض ہزاروں سال کی تاریخ میں اِس عجیب و غریب قلعہ کو دنیا کا مقابلہ کرتے ہوئے میں نے دیکھا اور ہمیشہ مجھے یہ محفوظ و مصئون ہی نظر آیا۔ یہ نہیں کہ اِس کے کبھی مغلوب ہونے کی خبر ہو۔ بعض احادیث میں آتا ہے کہ ایک وقت یہ مغلوب ہوگا اور کعبہ گرایا جائے گا مگر ساتھ ہی یہ بھی بتایا گیا ہے کہ یہ بات قیامت کی علامت ہوگی۔[۹۰] اب اس کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ عارضی طور پر دشمن اِس پر قبضہ کرے گا مگر اِس پر قیامت آ جائے گی اور وہ فتنہ اور خونریزی ہوگی کہ اَلۡاَمَان اور یہ معنے بھی ہو سکتے ہیں کہ حقیقی قیامت کے وقت جب اس کی ضرورت نہ رہے گی، اِس قلعہ کا مالک اسے گرنے دے گا۔

اِس عظیم الشان قلعہ کی حفاظت کیلئے ایک اور چھوٹے قلعہ کی تعمیر

اب اس زمانہ میں کہ اس قلعہ

کے گِرد یاجوج وماجوج چکر لگا رہے ہیں جیسا کہ قلعوں کے متعلق قاعدہ ہے کہ جب قلعہ پر حملہ ہو تو لشکر باہر نکل کر چھوٹے چھوٹے قلعے اور چوکیاں بنا کر مدافعت کرتا ہے تا کہ دشمن وہیں حملہ کرتا رہے اور قلعہ کی طرف نہ بڑھ سکے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اِس کی حفاظت کے لئے ایک اور قلعہ بنا دیا ہے اور اِس کے سپرد اس بڑے قلعہ کی حفاظت کا کام کیا ہے اور چونکہ یہ قلعہ بھی دین کی اسی طرح حفاظت کر رہا ہے اس لئے اسے بھی ارضِ حرم کے نام سے موسوم کیا گیا ہے چنانچہ اس قلعہ کی تعمیر میں جس نے حصہ لیا وہ خود کہتا ہے:-

خدا کا ہم پہ بس لُطف وکرم ہے وہ نعمت کونسی باقی جو کم ہے
زمینِ قادیاں اب محترم ہے ہجومِ خلق سے ارضِ حرم ہے
ظہورِ عَون و نصرت دمبدم ہے حسد سے دشمنوں کی پُشت خم ہے
سنو! اب وقت توحیدِ اتم ہے سِتم اب مائلِ مُلکِ عدم ہے
خدا نے روک ظلمت کی اُٹھا دی فَسُبْحَانَ الَّذِیْ اَخْزَی الْاَعَادِیْ [91]

ساکنینِ ارضِ حرم کے فرائض

یہ قلعہ خدا نے خانۂ کعبہ کی حفاظت کے لئے قائم کیا ہے، یہ قلعہ اس لئے قائم ہؤا ہے تا کہ دشمن کے حملوں کو وہ اپنے اوپر لے اور اُسے خانہ کعبہ کی طرف ایک قدم بھی بڑھنے نہ دے اور چونکہ یہ قلعہ خانۂ کعبہ کی حفاظت کر رہا ہے اِس لئے لازماً یہ بھی ارضِ حرم کا جُزو ہے اور جو لوگ اِس قلعہ کے سپاہیوں میں اپنے آپ کو شامل کر رہے ہیں وہ یقیناً ارضِ حرم کے ساکن ہیں اور ان کا فرض ہے کہ وہ دشمن کی گولیاں اپنے سینوں پر کھائیں اور اسے کعبہ کی طرف بڑھنے نہ دیں۔ پس اے قادیان کے رہنے والو! اور اے دوسرے احمدی مراکز کے رہنے والو! آج خانۂ کعبہ کی حفاظت کے لئے گولیاں کھانا تمہارا فرض ہے تم ان لوگوں میں سے ہو جو بڑے قلعوں کی حفاظت کے لئے باہر کی طرف بٹھا دیئے جاتے ہیں تا کہ وہ دشمن کی مدافعت کریں اور گولیوں کو اپنے اوپر لیں۔ پس تم بہادری کے ساتھ اپنے سینوں کو آگے کرو اور دشمن کے ہر حملہ کا پوری شدت کے ساتھ مقابلہ کرو۔

طاعون کے طوفانی حملہ میں اِس قلعہ کی حفاظت

میں تمہیں اِس قلعہ کی حفاظت کا بھی ایک واقعہ سنا دیتا ہوں۔ کچھ عرصہ ہؤا دنیا پر ایک غنیم نے حملہ کیا وہ قلعہ پر قلعہ توڑتا چلا آیا، آبادیوں پر آبادیاں اُس نے ہلاک کر دیں اور گاؤں کے بعد گاؤں اُس نے ویران کر دیئے۔ اُس وقت اِس قلعہ کی تعمیر کرنے والا

ابھی زندہ تھا اُس نے دنیا کو پکار کر کہہ دیا کہ اِس حملہ سے میرا قلعہ محفوظ رہے گا، گولہ باری سے تھوڑا صدمہ پہنچے تو پہنچے مگر اِس قلعہ کو اس حملہ آور کا حملہ کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوُا۔ یہ حملہ آور بڑھا اور قادیان پر حملہ آور ہوُا کئی سال تک اس نے متواتر حملہ پر حملہ کیا مگر ناکام رہا یہ قلعہ محفوظ رہا اور دشمن سے دشمن نے بھی اس قلعہ کی حفاظت کا اقرار کیا۔ یہ حملہ آور مرضِ طاعون تھا جس کے حملوں سے حفاظت کی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پہلے سے خبر دیدی۔

احمدی نوجوانوں سے خطاب

اب مَیں احمدی نوجوانوں سے کہتا ہوں کہ اِس قلعۂ عظیمہ کی حفاظت کا کام ان کے سپرد ہوُا ہے انہیں یہ امر اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ وہ محض ایک جماعت کے فرد نہیں بلکہ خانۂ کعبہ کی حفاظت کے لئے اس کے اِرد گرد جو قلعے بنائے گئے ہیں اس کے وہ سپاہی ہیں۔ پس اے عزیزو! جس طرح قلعہ پر جب دشمن حملہ آور ہوتو فوج کا فرض ہوتا ہے کہ وہ اس کے حملوں کی مدافعت کرے اور اس کی گولیاں اپنے سینوں پر کھائے اسی طرح اے احمدی نوجوانو! تم آگے بڑھو اور دجّالی سنگینوں کو اپنے سینوں پر روکتے ہوئے کعبہ کے دشمنوں پر حملہ آور ہو۔ یاد رکھو! خدائے قہار تمہارا کمانڈر ہے اور شیطانی فوجیں حملہ آور ہیں۔ پس اس قدیم صداقت کے دشمن کو کُچلتے اور اپنے پاؤں تلے مَسلتے ہوئے آگے بڑھو اور اس کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دو تا کہ پھر کعبہ کے قلعہ کی طرف کوئی بُری نگاہ سے نہ دیکھ سکے اور یہ گڑھی جو اِس قلعہ کی حفاظت کے لئے اللہ تعالیٰ نے بنائی ہے اپنے وجود کی ضرورت کو دنیا سے منوا لے اور لوگ تسلیم کرنے پر مجبور ہوں کہ فِی الواقع یہ زمین ارضِ حرم کا ہی حصہ ہے کیونکہ وہ جس نے حرم کی حفاظت کی وہ حرم ہی کا حصہ ہے وہ جس کی رگوں میں ماں کا خون دَوڑ رہا ہوتا ہے وہی ماں کی حفاظت کرتا ہے اور جو ماں پر حملہ ہوتے ہوئے خاموش رہتا ہے وہ ہرگز حلال کا بچہ نہیں ہوتا اور نہ اُس کا لڑکا کہلانے کا مستحق ہوسکتا ہے۔ پس دنیا کے اعتراضوں کی پرواہ مت کرو، تمہارے سپرد خدا تعالیٰ نے خانۂ کعبہ اور اسلام کی حفاظت کا کام کیا ہے پس تم دلیری دکھاؤ اور جرأت سے کام لو۔ خدا تمہارے آگے چل رہا ہے اور اُس کی فوجیں تمہارے دائیں اور بائیں ہیں جس دن تم ہمت کر کے دشمن کے مقابلہ کے لئے نکل کھڑے ہوگے اُس دن خدا تمہارے لئے وہی نشان دکھائی گا جو اُس نے ابرہہ کے لشکر کے لئے دکھایا۔

خدائے قادر کا ایک عظیم الشان معجزہ

لوگ کہتے ہیں کہ معجزہ کیا ہوتا ہے؟ مگر یہ کیا معمولی معجزہ ہے؟ تاریخی شہادت موجود ہے کہ ایسے حالات میں جبکہ اس کی حفاظت کا کوئی سامان نہیں تھا ایک لشکر کعبہ کی طرف حملہ کرنے کے لئے بڑھا مگر پیشتر اِسکے کہ وہ کعبہ تک پہنچتا خدا نے اُس کو تباہ و برباد کر دیا۔ غرض جب دُنیوی طور پر کعبہ پر حملہ ہؤا تو اُس نے چیچک بھیج دی اور جب دینی طور پر اس پر حملہ ہونے لگا تو اس کے مقابلہ کیلئے اُس نے مسیح موعودؑ کو بھیج دیا۔

پس احمدیوں کو یاد رکھنا چاہئے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کی غرض خانۂ کعبہ کی حفاظت ہے یعنی جن اغراض کے لئے خانۂ کعبہ کو قائم کیا گیا ہے وہی اغراض ہماری جماعت کے قیام کی ہیں۔ پس ہماری جماعت اس لئے قائم کی گئی ہے تا کہ تمام دنیا میں امن قائم کیا جائے۔ خدائے واحد کی عبادت کو رائج کیا جائے، شرک اور بدعت کو مٹا دیا جائے، مسافر اور مقیم دونوں کی ترقی کی تدابیر سوچی جائیں اور نظام کو ایسا مکمل کیا جائے کہ لوگوں کا ایک حصہ رات دن بنی نوع انسان کی خیر خواہی کے کاموں میں مصروف رہے جب تک ہم اِس کام کو نہیں کریں گے اُس وقت تک ہم اپنی ذمہ داری کو پوری طرح ادا کرنے والے قرار نہیں دیئے جاسکتے۔ پس صرف چندے دینا کافی نہیں، صرف جلسہ سالانہ پر مرکز میں آ جانا کافی نہیں، صرف نمازیں ہی پڑھنا کافی نہیں بلکہ ہر شخص کا فرض ہے کہ وہ اِس دجّالی فتنہ کو روکے جو خانہ کعبہ کے خلاف برپا ہے۔ اس کے لئے ایسے نوجوانوں کی ضرورت ہے جو ساری دنیا پر چھا جائیں اور اس لئے واقفینِ زندگی کی تحریک شروع کی گئی ہے مگر افسوس ہے کہ جماعت نے اِس تحریک کی طرف زیادہ توجہ نہیں کی۔

شیطان کو کان سے پکڑ کر اس کی غاروں سے باہر نکال دو

یاد رکھو! خدا نے قادیان کو بھی ایک چھوٹا قلعہ بنایا ہے اور قلعہ اسی لئے بنایا جاتا ہے تا کہ اس میں سے آسانی سے حملہ کیا جا سکے۔ جو جرنیل یہ سمجھتا ہے کہ اس کے لئے صرف مدافعت کرنا کافی ہے وہ کبھی فتح نہیں پاسکتا۔ یاد رکھو! تم مدافعت سے نہیں بلکہ حملہ سے جیتو گے۔ اگر تم قادیان میں بیٹھے رہے تو دشمن شکست نہیں کھائے گا بلکہ دشمن اُس وقت شکست کھائے گا جب تم جاپان میں جا کر دشمن سے لڑو گے، چین میں جا کر دشمن سے لڑو گے، افریقہ میں جا کر دشمن سے لڑو گے، انگلستان میں جا کر دشمن سے لڑو گے، امریکہ میں

جا کر دشمن سے لڑو گے اور شیطان کو اُس کی غاروں سے کان سے پکڑ کر نکال دو گے اگر تم ایسا کرو گے تو تم یقیناً کامیاب ہو گے اور یقیناً تمہارا دشمن ناکامی کی موت مرے گا۔

خلاصہ یہ کہ میں نے قرآن کریم کے ذریعہ سے ایک ایسا قلعہ دیکھا جو تمام قلعوں کے اصول کے خلاف تعمیر ہؤا تھا مگر میں نے دیکھا کہ ہزاروں سال کا عرصہ بھی اس قلعہ کو کمزور نہ کر سکا بلکہ اس کی مضبوطی بڑھتی ہی گئی یہاں تک کہ وہ ساری دنیا کا مرجع ہو گیا اور میں نے کہا انسان، بے وقوف انسان قطب شاہیوں کے گولکنڈہ کے قلعہ کو دیکھتا ہے اور اس پر تعجب کرتا ہے اور فتح پور سیکری کے قلعہ کو دیکھتا ہے اور اس پر حیران ہوتا ہے اور دہلی کے تُغلقوں کے قلعہ کو دیکھتا ہے اور اس پر واہ واہ کہتا ہے حالانکہ یہ قلعے سَو دوسَو سال بھی نہ گزار سکے اور اب ان کی مرمت کرنے والا بھی کوئی نہیں اور لوگ موجود ہیں جنھوں نے ان قلعوں کو فتح کیا مگر وہ اس حیرت انگیز قلعہ کے دیکھنے کی تکلیف گوارا نہیں کرتا اور اس کی تعمیر کی داد نہیں دیتا جو انجینئرنگ کے تمام معلومہ اصول کے خلاف پایا گیا۔ فنِ حرب کے تمام اصول کے خلاف اس کے لئے مقام چُنا گیا۔ قیادت کے تمام اصولوں کے خلاف اس کی حفاظت کا انتظام کیا گیا، پھر بھی وہ کھڑا رہا، کھڑا ہے کھڑا رہے گا۔ اِنْشَاءَ اللّٰہُ تَعَالٰی۔

۱؎ **کُودن:** کُند فہم۔ مورکھ۔ نادان

۲؎ بخاری کتاب الایمان باب اتباع الجنائز من الایمان

۳؎ اٰل عمران: ۹۷

۴؎ ابوداؤد کتاب الصلوٰة باب اتخاذ المساجد فِی الدُّوَرِ

۵؎ البقرة: ۱۲۶

۶؎ اقرب الموارد الجزء الاول صفحہ ۹۷۔ مطبوعہ بیروت ۱۸۸۹ء

۷؎ مسلم کتاب الحج باب فضل الصلوٰةِ بمسجدی مَکَّةَ و المدیْنَة

۸؎ مسند احمد بن حنبل جلد ۶ صفحہ ۹۱ مطبوعہ ۱۳۱۳ھ مطبع میمنة مصر

۹؎ الحجرٰت: ۸ ۱۰؎ اٰل عمران: ۱۱۱ ۱۱؎ المائدة: ۵۵

۱۲؎ محمد: ۵

۱۳؎ اسد الغابة فی معرفة الصحابة جلد ۲ صفحہ ۲۲۵۔ مطبوعہ بیروت ۱۳۷۷ھ

۱۴؎ تاریخ الامم و الملوک لابی جعفر محمد بن جریر الطبری جلد ۴ صفحہ ۴۶

دار الفکر بیروت ۱۹۸۷ء

۱۵؎ بخاری کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم باب ذکر اُسامۃ بن زید

۱۶؎ بخاری کتاب الاشربۃ باب اَلْاَیْمَنُ فِی الشُّرْبِ۔

۱۷؎ سیرت ابن ھشام جلد۲ صفحہ ۱۷ مطبوعہ مصر ۱۲۹۵ھ

۱۸؎ فتوح البلدان۔ بلاذری صفحہ ۱۴۲ مطبوعہ مصر ۱۳۱۹ھ

۱۹؎ بخاری کتاب الزکٰوۃ باب وجوب الزکٰوۃ۔

۲۰؎ الحشر: ۸ ۲۱؎ ھود: ۷

۲۲؎ مسلم کتاب البر والصلۃ و الادب باب فضل عیادۃ المریض

۲۳؎ الحج: ۴۱ ۲۴؎ النور: ۳۷، ۳۸

۲۵؎ مسلم کتاب الصلوٰۃ باب استحباب الذکر بعد الصلوٰۃ

۲۶؎ الجمعۃ: ۳ ۲۷؎ التوبۃ: ۱۰۰ ۲۸؎ الاحزاب: ۲۴

۲۹؎ سیرت ابن ھشام جلد۲ صفحہ ۸۴ مطبوعہ مصر ۱۲۹۵ھ

۳۰؎ الاعراف: ۱۸۲

۳۱؎ مشکوٰۃ کتاب المناقب باب مناقب الصحابۃ

۳۲؎تا۳۴؎ اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ جلد۳ صفحہ ۳۸۵، ۳۸۶ مطبوعہ ریاض ۱۲۸۶ھ

۳۵؎ **پُشْتارہ**: ڈھیر، انبار

۳۶؎ الحشر: ۱۰

۳۷؎ تاریخ طبری اُردو حصہ دوم صفحہ ۳۱، ۳۲ مطبوعہ کراچی۔

۳۸؎ العنکبوت: ۴۶ ۳۹؎ المائدۃ: ۹۲

۴۰؎ بخاری کتاب التفسیر۔ تفسیر سورۃ المائدۃ باب لیس علی الذین اٰمَنُوا و عملوا الصّٰلحٰت............

۴۱؎ البقرۃ: ۲۲۹ ۴۲؎ الرعد: ۲۴، ۲۵

۴۳؎ بخاری کتاب الایمان باب المسلم من سلم المسلمون من لسانہ و یدہٖ۔

۴۴؎ الحجرات: ۱۳

۴۵؎ تاریخ اہل عرب مصنفہ سائمن اوکلے

۴۶ الحجرات:۱۳ ۴۷ البقرة:۱۸۹ ۴۸ النساء:۳۰

۴۹ المطفّفين:۲ تا ۴ ۵۰ بنی اسرآء یل:۳۸ ۵۱ النساء:۱۴۹

۵۲ الحجرات:۱۰

۵۳ **معاہدہ وارسا:** مغربی ممالک کے حملوں کی روک تھام کے لئے ۱۴ مئی ۱۹۵۵ء کو ایک معاہدہ ہوا۔ مشرقی یورپ کے کمیونسٹ ممالک البانیہ، بلغاریہ، چیکوسلواکیہ، مشرقی جرمنی، ھنگری، رومانیہ، پولینڈ اور روس کے درمیان اس معاہدہ پر دستخط ہوئے۔ یہ معاہدہ رُکن ممالک کے درمیان بیس سال کے عرصہ کے لئے باہمی مفادات کے تحفظ کے سلسلہ میں طے پایا تھا۔ اس کا صدر دفتر ماسکو میں ہے۔
(اُردو جامع انسائیکلوپیڈیا جلد ۲ صفحہ ۱۷۸۱، ۱۷۸۲ مطبوعہ لاہور ۱۹۸۸ء)

۵۴ النهاية لابن الاثير جلد ۲ صفحہ ۱۲۰ مطبوعہ مطبع الخیریہ مصر ۱۳۰۶ھ

۵۵ المائدة:۱۰۶ ۵۶ النساء:۳۷ ۵۷ البقرة:۱۴۴

۵۸ اٰل عمران:۱۳۵

۵۹ بخاری كتاب الادب باب الحذر من الغضب

۶۰ النساء:۵۵ ۶۱ النساء:۳۳ ۶۲ الحشر:۱۱

۶۳ بخاری كتاب الايمان باب من الايمان ان يحب لاخيه ما يحب لِنَفْسِهٖ

۶۴ الاعراف:۲۰۰ ۶۵ النور:۲۳ ۶۶ النحل:۹۱

۶۷ الاعلٰی:۱۷، ۱۸ ۶۸ الاعلٰی:۱۹، ۲۰ ۶۹ البقرة:۱۲۵، ۱۲۶

۷۰ بخاری کتاب مناقب الانصار باب قول اللّٰه عَزَّوَ جَلَّ وَ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ ۔۔۔

۷۱ بخاری كتابُ الْاَدَب باب اِكْرام الضيف وخدمته

۷۲ اٰل عمران:۱۰۵

۷۳ بخاری كتاب الرقاق باب كيف كان عيش النبى صلى الله عليه وسلم ۔۔۔

۷۴ بخاری كتاب الأطعمة باب السلق والشعير (مفہوماً)

۷۵ البقرة:۱۲۶، ۱۲۷

۷۶، ۷۷ اقرب الموارد الجزء الاول صفحہ ۹۷ مطبوعہ بیروت ۱۸۸۹ء

۷۸ المائدة:۹۸

۷۹، ۸۰ اقرب الموارد الجزء الثانی صفحہ ۱۰۵۴ مطبوعہ بیروت ۱۸۸۹ء

۸۱؎ ابراھیم: ۳۸ ۸۲؎ الحج: ۲۸ ۸۳؎ الحج: ۳۰

۸۴؎ اٰل عمران: ۹۷، ۹۸

۸۵؎ بخاری کتاب احادیث الانبیاء باب یزِفُّوْن ....

۸۶؎ **ھیروڈوٹس** (HERODOTUS) یونانی مؤرخ اور نثر نگار۔ اس نے عالَمِ شباب میں یونان، مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ کے سفر کئے اور اس دوران مختلف اقوام کی عادات اور مذاہب کا مطالعہ کیا۔ چار سال ایتھنز میں رہنے کے بعد ۴۴۳ ق م میں جنوبی اٹلی میں تھوری (THURII) کے مقام پر رہائش اختیار کی اور پھر وفات تک وہیں مقیم رہا۔ اس کی تاریخ یونانی اور اہلِ فارس کی جدّ وجُہد کی وضاحت کے لئے کافی مواد پیش کرتی ہے۔ اس کے علاوہ بھی اس نے تاریخ کے موضوع پر کتابیں لکھیں۔ وہ تاریخ عالَم کا پہلا مؤرخ ہے جس نے تنقیدی احساس کے ساتھ تاریخ کو قلمبند کیا ہے۔ (اُردو جامع انسائیکلوپیڈیا جلد ۲ صفحہ ۱۸۸۰ مطبوعہ لاہور ۱۹۸۸ء)

۸۷، ۸۸؎ LIFE OF MAHOMET- BY SIR WILLIAM MUIR LONDON 1877 PAGE XIV.

۸۹؎ الفیل: ۲ تا آخر

۹۰؎ بخاری کتاب الحج باب هَدْمِ الْكَعْبَة

۹۱؎ درثمین اُردو صفحہ ۵۶، ۵۷